دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

•جلد 08/•شمارہ 07/•مارچ/2019

Regd.# MC-1366

ماہنامہ فہمِ دین

دشمن کی چال اور اسلام کی ڈھال

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

WWW.BAITUSSALAM.ORG

زیرسرپرستی

عبد الستار

فہم وفکر

جلائے ہیں دیے تو پھر ہواؤں پر نظر رکھو	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

اتباعِ سنت کے فضائل	محمد کاشف تبسم	10
حضرت ہشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	12
حضرت جندب بن عامر رضی اللہ عنہ	طارق محمود	14
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	16
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	18

خواتینِ اسلام

اقصیٰ کے محافظ	بنتِ عامر	21
خوشی کی محفلیں	زینب	25
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	26
کبھی جو ڈھونڈو تو تم محبت	اہلیہ مظفر	29
بڑی بی	فوزیہ خلیل	32
سحر	وزیہ ظفر	34

باغیچہ اطفال

ننھے کی نانی	ڈاکٹر الماس روحی	36
سریلی چڑیا	رمشا نسیم	37
ننھے ادیب		38
انعامات ہی انعامات		40

بزمِ ادب

موجِ تبسّم	ابنِ تبسّم	41
یومِ پاکستان	جوہر عباد	42
بھلائی آج ہی کر لے	ابنِ گل	43
مزدور بچے	ہما اعظمی	43
بچوں کے فن پارے		45
گلدستہ		46
باتیں آپ کی		49

اخبار الاسلام

خبرنامہ	ادارہ	50

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

مارچ 2018ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	محمد کاشف تبسم
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن بیت کمرشل اسٹریٹ نمبر 2 خیابان جامی

بالمقابل بیت السلام مسجد ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر: فیصل زاہد | مطبع | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

جلائے ہیں دیے تو پھر ہواؤں پر نظر رکھو

3 مارچ کو جو سورج غروب ہوا تھا' پھر 23 مارچ کو اس کے طلوع ہونے کی امید لگی' لیکن 3 سے 23 تک پہنچنے میں 16 برس کا عرصہ لگ گیا۔ وہ 3 مارچ کی ایک افسردہ صبح تھی' جب ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں 1924 میں ''خلافت عثمانیہ'' کا خاتمہ کر دیا اور پھر اغیار کے اشاروں پر چلتے ہوئے وہ اُودھم مچایا کہ نہ سلطنتِ عثمانیہ بچی اور نہ نظامِ خلافت۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

کہ دشمن بھی مکاری کر رہا تھا اور منصوبہ بندی اللہ بھی کر رہا تھا اور اللہ کی منصوبہ بندی سب سے بہتر ہے۔ آپ قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ اُدھر 1905 اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کی وِلادت کا سال ہے تو اِدھر 1906 میں ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھوں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آرہا ہے' اُدھر جنگ عظیم اول کے بعد انگریزوں سے ''خلافتِ عثمانیہ'' کو خطرات لاحق ہو رہے ہیں تو اِدھر اس کی حفاظت کے لیے علمائے ہند نے 5 جولائی 1919 کو ''تحریک خلافت'' کی بنیاد ڈال دی' پانچ سالہ مسلسل تگ و دَو کے بعد پھر 1924 میں مارچ کی وہ 3 تاریخ بھی آئی' جس میں ''آستین کے سانپ'' اور ''غدارِ اسلام'' مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں ''خلافتِ عثمانیہ'' کو ختم کروا کے دشمن یہ سمجھا کہ اب مسلمان دوبارہ صدیوں سر اُٹھانے کے قابل نہ ہو سکیں گے' جس پر شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ یوں نوحہ خواں ہوئے :

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادی اپنوں کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ

پھر اگلے دس سالوں میں مصطفیٰ کمال پاشا سے ترکی کو سیکولر بنانے کے لیے جو ہو سکا' وہ اس نے کیا۔ سلطنتِ عثمانیہ اور نظامِ خلافت تو پہلے ہی چھن چکی تھی' پھر ترکی کی دھرتی نے وہ دِن بھی دیکھے کہ عورتوں سے حیا کی چادر چھین لی گئی اور مردوں کو چہروں کی زینت سے محروم کر دیا گیا۔ 1934 کا سال آیا تو اُدھر مصطفیٰ کمال پاشا کو دشمنوں کی شہ پر ترکی کو سیکولر بنانے پر ''اتاترک'' یعنی ترکوں کا باپ ہونے کا خطاب دیا جا رہا ہے اور اِدھر ہند کا مفکر علامہ محمد اقبالؒ لندن سے اپنے روٹھے قائد محمد علی جناحؒ کو واپس لا کر آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر بنا رہا ہے اور پھر تان یہاں پر ٹوٹی کہ اُدھر 1938 میں مصطفیٰ کمال کا انتقال ہوا تو اِدھر 16 سال پہلے دشمن کی چلی ہوئی چال کا جواب 1940 میں اُس مشہور ''قرار دادِ پاکستان'' کی صورت میں آیا' جو منٹو پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس میں پیش کی گئی' جو بعد میں پاکستان کے وجود کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صرف اتنا نہیں' آپ قدرت کا غیبی اشارہ ملاحظہ فرمائیں کہ اُس اجلاس کے لیے جو اسٹیج سجایا گیا تھا' جس پر مشہور قرار دادِ پاکستان پیش کی گئی تھی' اس کی پیشانی پر یہ شعر درج تھا کہ :

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے' اُدھر نکلے' اُدھر ڈوبے' اِدھر نکلے

قارئین! یہ میرے اور آپ کے دیس ''پاکستان'' کا بن جانا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں' بل کہ قدرت کا معجزہ ہے معجزہ! یہ ایک نظریاتی ملک ہے' اس کے شہیدوں کے لہو سے آج بھی یہی آواز آ رہی ہے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لاالہ الااللہ''۔ قارئین! یہ کلمہ بھی عالمی ہے' اس کو لانے والے نبی ﷺ بھی عالمی ہیں' اس کلمے کی مخاطب جو قوم ہے' وہ بھی عالمی ہے تو کیا اس سب کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کلمے کی بنیاد پر جو ملک بنا ہے' اس کے باسیوں کا کردار بھی عالمی ہو؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ ہمارے برادر ملک ترکی اپنا سب کچھ لٹوا کر اور خلافتِ عثمانیہ کو کھونے کے باوجود پھر سے اپنا عالمی کردار ادا کرنے کے لیے پَر تول رہا ہے' لیکن اس المیے کا کیا جائے کہ پاکستان سے عالمِ اسلامی نے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں یا جو کردار وہ ادا کر سکتا ہے' اہلِ پاکستان یا اسے سمجھ نہیں رہے یا سمجھنے کے باوجود اسے ادا نہیں کر رہے۔ کیا **انما المومنون اخوة** کا ہم سے یہ تقاضا نہیں ہے کہ انسانی حقوق کے دعویدار شام کے علاقے ''غوطہ'' میں جو انسانی حقوق کی دھجیاں اُڑا رہے ہیں تو وہاں سسکتے اور دم توڑتے اپنے مسلمان بھائی بہنوں اور بچوں کے لیے ہم رب کے حضور گِڑ گڑا کر دعا ہی کر سکیں؟ کیا اس بار 23 مارچ کا پیغام دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے غم میں شریک ہونا نہیں چاہیے؟ مجھے پتا ہے کہ ہم سب موقع بہ موقع کچھ نہ کچھ مدد کرتے رہتے ہیں' لیکن جب دشمن اجاڑنے کے لیے اور اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لیے پانی کی طرح دولت بہا سکتا ہے تو پھر ایک نظریاتی ملک کے باسیوں کا کیا کردار ہونا چاہیے! قارئین! اس پر سنجیدگی سے ہمیں غور کرنا چاہیے' ورنہ ایسا نہ ہو کہ ''انبیا کی سرزمین'' پر بسنے والے یہ معصوم ٹمٹماتے چراغ ان آندھیوں کا سامنا نہ کر سکیں اور مؤرخ کا قلم ''پاک سرزمین'' کے باسیوں کو ''اخلاقی مجرم'' لکھنے پر مجبور ہو جائے۔

جلائے ہیں دیے تو پھر ہواؤں پر نظر رکھو
یہ جھونکے ایک پل میں سب چراغوں کو بجھا دیں گے

اس بار کا شمارہ کیسا لگا' ضرور بتایئے گا' اس لیے کہ آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہم قرآن (آل عمران: 78-83)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ 78

ترجمہ: اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں' جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں' تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو' حالاں کہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے' حالاں کہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔ 78

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ 79

ترجمہ: یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (1)۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ' کیوں کہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو' اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔ 79

تشریح نمبر 1: یہ عیسائیوں کی تردید ہو رہی ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر گویا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہی حال ان بعض یہودی فرقوں کا تھا' جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ 80

ترجمہ: اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ 80

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ 81

ترجمہ: اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ''اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں' پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے' جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔'' اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ ''کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟'' انھوں نے کہا تھا: ''ہم اقرار کرتے ہیں۔'' اللہ نے کہا: ''تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔'' 81

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ 82

ترجمہ: اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ 82

ترجمہ: اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالاں کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں' ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے' (کچھ نے) خوشی سے اور (کچھ نے) ناچار ہو کر (2) اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے۔ 83

تشریح نمبر 2: مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں حکم اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اہلِ ایمان اللہ کے ہر حکم کو دل و جان سے بخوشی قبول کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ کو مانتے بھی نہ ہوں' ان کو بھی چار و ناچار اللہ کے ان فیصلوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے' جو وہ اس کائنات کے انتظام کے لیے کرتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بیمار کرنے کا فیصلہ فرما لے تو کوئی اسے پسند کرے یا ناپسند' ہر حال میں وہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور کوئی مومن ہو یا کافر' اسے فیصلے کے آگے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهَا اَوْ اَنْ يَّمْشِىَ فِىْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَاَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّآءَ اَوْ يَحْتَبِىَ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے (چادر لپیٹ کر) اس طرح کہ اس کا ستَر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح... عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لیے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے۔ مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بند ہو گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اس کو ''اِشْتِمَالِ صَمَّاء'' کہا جاتا تھا، اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے، کیوں کہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بند ہو جاتا ہے اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سُرین زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی (کیوں کہ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو ''احتباء'' کہتے تھے، اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے، کیوں کہ یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے۔ ہاں! اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے وہ معذور ہو گا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِىْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ

ترجمہ... حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء! عورت جب بلوغت کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داوٗد)

تشریح... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں، جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں! چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے، یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لیے ستَر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستَر اور حجاب شریعت کے دو حکم ہیں اور ان کی حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، کیوں کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس طرح آپ ﷺ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم

امام مالکؒ نے موطا میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خِمار) اوڑھے ہوئے تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خِمار اوڑھا دی۔ ظاہر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فعل حضور ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

گھر کیسے گھر بن جائیں

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

بیماریوں کا پس منظر: آج ہمارے معاشرے میں مختلف جسمانی بیماریاں ایک عذاب کی شکل میں جو مسلط ہیں' اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ گھر کی زندگی پُر سکون نہیں رہی۔ اور بد قسمتی سے جن کی زندگی کو آئیڈیل سمجھ لیا گیا ہے اور ہم ان کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنے لگے ہیں' ان کے ہاں تو گھر کی زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے' کیا بیوی' کیا شوہر' کیا بیٹا' کیا باپ' کیا بیٹی' کیا ماں وہاں تو ان رشتوں' ناتوں کی قدر و قیمت ہی باقی نہیں رہی' وہاں تو یہ سب کچھ ہی لُٹ چکا ہے' ختم ہو چکا ہے' ہماری بد قسمتی اور نا سمجھی کی انتہا ہے کہ انھی لوگوں کو نمونہ بنا کر زندگی بنانا چاہ رہے ہیں۔ اور یہ بات کون نہیں جانتا کہ آدمی باہر کے حالات کی وجہ سے ڈپریشن اور ٹینشن میں کم مبتلا ہوتا ہے' خارجی مسائل کی وجہ سے بیماریاں کم لگتی ہیں' لیکن خدانخواستہ اگر گھر ہی کے حالات اچھے نہ ہوئے' گھر ہی سے اتفاق' اتحاد اور محبت کی دولت رخصت ہو گئی تو اچھا خاصا' بہ ظاہر صحت مند نظر آنے والا آدمی بیماریوں میں گِھر جاتا ہے۔ اس کی زندگی سے چین اور سکون ختم ہی ہو جاتا ہے' اسے رات ہی میں آرام ملتا ہے نہ دن میں سکون۔

گھر کیا ہے؟ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے زندگی کے سفر میں گھر بہترین جائے پناہ ہے' جہاں عزت آبرو اور ایمان بچا رہتا ہے' گھر معاشرے کی پہلی اکائی ہے' پہلی اینٹ ہے' معاشرے کی عمارت ٹھیک طریقے سے کھڑی ہی تب ہو سکتی ہے' جب یہ گھر والی اکائی ٹھیک ہو' اگر پہلی ہی اینٹ اپنی جگہ سے ہل جائے تو معاشرے کی بلند و بالا عمارت ٹھیک طریقے سے کھڑی ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ گھر دیواروں کا نام نہیں' ماربل کی رنگ برنگ کی ٹائلوں کا نام نہیں' مال سے بھرے صندوق اور بکس گھر نہیں کہلاتے۔ گھر تو دراصل وہ ہے' جہاں رہنے والوں کے دل ملے ہوئے ہوں' اگر دل اکٹھے ہیں اور ایک دوسرے کی محبت سے جڑے ہوئے ہیں تو چھوٹی سی جھونپڑی اور جھگی بھی صحیح معنی میں گھر کا منظر پیش کرتی ہے اور اگر دلوں میں جوڑ نہیں' ایک دوسرے کی محبت نہیں' تو بڑے بڑے محلات اور حویلیاں بھی کھنڈرات ہیں' اجڑے ہوئے مکانات ہیں' انھیں گھر نہیں کہا جا سکتا۔ گھر میں محبت ہو تو عورت ایک وقت کے کھانے پر بھی گزارہ کر لے گی' مرد بھوکا بھی سو جائے گا۔

گھر یا دھوکہ: آج تو گھروں کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے' معیار اور پیمانہ ہی بدل گیا ہے' دنیا والوں کو یہ سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ گھر کسے کہتے ہیں' وہ اس دھوکے کا شکار ہیں کہ گھر سامان سے بنا کرتے ہیں' اچھی ٹائلیں لگی ہوں' اچھے قالین بچھے ہوں تو وہ گھر کہلائیں گے' بھاری بھر کم جہیز سے گھر میں رنگ بھرے گا' ارے اگر یہی گھر ہوتے تو پھر عالی شان محلّات میں رہنے والے بے سکون کیوں ہوتے' انھیں یہ گھر کاٹ کھانے کو کیوں دوڑتے' انھیں وحشت کیوں محسوس ہوتی' ان محلّات میں رہنے والوں کو تکلیف کے کانٹے کیوں چبھتے' دل کیوں زخمی ہوتے' کلیجے چور چور کیوں ہوتے' ہڈیاں اندر ہی اندر کیوں گھلتیں؟

کیا یہ حقیقت نہیں؟ گھر سے باہر کے مسائل جتنے بھی ہوں' جیسے بھی ہوں' انسان اتنا جلدی بوڑھا نہیں ہوتا' جتنا جلدی گھریلو اور خاندانی مسائل سے ہوتا ہے' یہ غم ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں' ان کی وجہ سے ہڈیاں اندر ہی اندر گھلتی ہیں' یہ غم بھی چھٹی انگلی کی طرح ہوتے ہیں' جنہیں کاٹنے پہ قدرت ہوتی ہے' نہ چھپائے چھپتے ہیں' یہ غم کسی کے سامنے بیان کیے جا سکتے ہیں' نہ ہی خفیہ رکھنا ممکن ہوتا ہے۔

گھر کیسے محبت کدے بنیں؟ گھر معاشرے کی جان ہے' خدانخواستہ یہیں حالات خوش گوار نہیں اور یہ محبتیں پائے دار نہیں تو ان سے بننے والا معاشرہ کیسے پھل پھول سکتا ہے' ایسے ٹوٹے گھروں پر معاشرے کی تعمیر و ترقی کی بنیاد کیسے رکھی جا سکتی ہے' ایسے بکھرے افراد معاشرہ کیسے ترتیب دے سکتے ہیں' سوال یہ ہے کہ گھروں میں محبتیں کیسے آئیں' اس کے لیے چند چیزیں عرض ہیں' ان میں چار تو ایسی ہیں' انھیں اپنے قریب بھی نہ آنے دیں۔

(1) پہلی چیز: سب سے پہلی چیز تکبر ہے' یعنی عجب اور بڑائی گھر کے تمام افراد اس نحوست سے بچیں' یہ بیماری ساس میں آ گئی' بہو میں آ گئی' ہر ایک کی یہی سوچ بن گئی کہ گھر میں سب کچھ میری رائے کے مطابق ہونا چاہیے' یا فلاں کام مجھ سے پوچھے بغیر کیسے ہو گیا تو گھر کا سکون ختم ہو جائے گا' گھر جہنم بن جائے گا۔ اس تکبر نے ہمارے گھروں کو غیبت کدہ بنا دیا ہے' ظلم کی آماجگاہ بن گئے ہیں' یہ ایسی بیماری ہے جس میں مبتلا شخص ہر وقت دوسروں کو نیچا دِکھانے کی کوشش کرتا ہے' اس کی کوشش ہوتی ہے' میں سب سے اونچا نظر آؤں۔ یاد رہے! شیطان اسی تکبر کے ہاتھوں مردود ہوا تھا' تمام باطنی بیماریوں کی بنیاد اور جڑ یہی تکبر ہے۔

(2) دوسری چیز: غصہ ایسی چیز ہے' جس سے اپنے گھروں کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ غصے کی حالت میں کیے ہوئے فیصلوں پر ہمیشہ ندامت اور پشیمانی ہی اٹھانی پڑتی ہے' اس لیے بچوں کی تربیت کے لیے بھی کوئی بات کہنی پڑ جائے تو غصے کی حالت میں نہ کریں' خاموشی اختیار کر لیں' پھر کسی موقع پر مصنوعی غصے والی حالت بنا کر کہہ دیا کریں۔

(3) تیسری چیز: غیر محرم سے تعلق وہ ناسور ہے' جس سے حفاظت ضروری ہے' وہ کسی بھی عورت یا مرد کا کسی غیر محرم سے تعلق ہے۔ خدانخواستہ یہ بیماری کسی گھر میں آ گئی' مرد کا تعلق کسی غیر محرم عورت سے یا عورت کا تعلق کسی غیر محرم مرد سے ہو گیا تو اس گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اور یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ وسائل اور مواقع اسی قبیح گناہ کے ہیں' ناجائز دوستی کے مواقع بھی خوب ہیں اور حرام تعلقات کی راہیں بھی چوپٹ کھلی ہیں' مخلوط محفلوں کا تو پوچھنا ہی کیا' شاید ہی کوئی ایسی تقریب ہو' جہاں مخلوط میل جول نہ ہو' اسکول' کالج سے لے کر شادی بیاہ تک ہر جگہ یہی تماشا ہے۔ اس ملنے ملانے کو نہ صرف بُرا نہیں سمجھا جاتا' بل کہ کہا جاتا ہے' اس سے اعتماد بڑھتا ہے' رہی سہی کسر انٹرنیٹ نے پوری کر دی ہے' جس سے چاہیں حرام تعلق بنائیں' نہ کسی کا ڈر نہ ہی اپنے کیے پہ کوئی شرمندگی!

اللہ رحم فرمائے' آج کل تو حالات یہ ہیں ابتدائے جوانی اور تعلیم کے زمانے میں یہ داغ نہ بھی لگے تو شادی کے بعد بہت سارے مواقع مل جاتے ہیں' مخلوط اور آزادانہ گفتگو' ہنسی مذاق اب تو مرد خود ایسے مواقع فراہم کرتے ہیں' اپنے دوستوں اور قریبی رشتے دار غیر محرم مردوں کے سامنے اپنی بیویوں کو لاتے ہیں' ایسی صورتِ حال میں زیادہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے گھر اس حرام تعلق سے پاک رہیں۔

(4) چوتھی چیز: لقمۂ حرام سے بھی اپنے گھروں کو پاک کرنا ضروری ہے۔ پہلے زمانے میں بہنیں' بیٹیاں بڑی قدر دان ہوتی تھیں' مائیں بہت سمجھ دار ہوتی تھیں' اپنے گھر کی اقدار کی حفاظت کرتی تھیں' مردوں سے کہہ دیا کرتی تھیں ہم تھوڑا کھا لیں گے' کپڑے کے ایک جوڑے پر گزارا کر لیں گے' ہمیں غربت قبول ہے' لیکن لقمۂ حرام کسی صورت قبول نہیں' پھر میرا بیٹا میرا نہیں رہے گا' بیٹی میری نہیں رہے گی' میاں بیوی کا آپس کا اعتماد بھی نہیں رہے گا' اس لیے میرے گھر حرام کا لقمہ ہرگز نہ آنے پائے۔

چار چیزیں لازم: جس طرح چار چیزوں سے بچنے کا ذکر ہوا' اسی طرح اب ان چار چیزوں کا ذکر کریں گے' جن کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

(1) نماز کی پابندی: کوشش کی جائے گھر کے تمام بالغ افراد نماز کی پابندی کرنے والے بن جائیں' بچوں کو نماز کا عادی بنائیں' بچپن ہی سے نماز سکھائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بچے (لڑکا' لڑکی دونوں شامل ہیں) جب سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز پڑھنے کی تاکید کریں اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انھیں ماریں۔

(2) گھر قبرستان نہ بنائیں: گھر کا ہر فرد قرآن کی تلاوت کا معمول بنائے' روزانہ کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کریں' گھروں میں قرآن کی تلاوت کا ماحول بنائیں' مرد بھی اس کا اہتمام کریں اور عورتیں بھی' ایک پارہ آدھا پارہ' کم از کم ایک رکوع تو ہر فرد ضرور ہی پڑھے' اس کا کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں تلاوت نہ ہو۔ گھر میں تلاوت کرتے وقت آواز اتنی ضرور بلند ہو کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچے' تاکہ اللہ کے فرشتے قرآن سننے ضرور حاضر ہوں۔

(3) استغفار کا اہتمام: رات سونے سے پہلے جتنا ہو سکے استغفار ضرور کیا جائے' کم از کم دس بار تو ضرور ہی ہو' تمام معمولات' ذکر کے تلاوت کے پورے کیے جائیں گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کیا جائے' لیکن اس کے ساتھ استغفار بھی ضروری ہے کہ کسی بھی کام میں جو کمی کوتاہی ہو جائے وہ سونے سے پہلے صاف ہو جائے' اس معاملے میں آج کا کام آئندہ کل پر کبھی نہ چھوڑا جائے۔

(4) اصلاحی تعلق: اور کرنے کا چوتھا کام یہ ہے کہ آپ کا کوئی مرشد ہو' مربّی ہو' جو دین کی روشنی میں زندگی کے معاملات میں آپ کی رہ نمائی کیا کرے' یعنی ہر شخص اہتمام کرے کہ کسی اللہ والے کی سرپرستی اسے ضرور حاصل ہو۔

آخری بات: کسی بھی انسان پہ جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے وہ یا تو اس کے گھر کا ماحول ہے اور یا ارد گرد کا ماحول۔ جیسی عادت دوستوں میں ہو گی' جن لوگوں سے یارانہ اور اٹھنا بیٹھنا ہو گا' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چیزیں کسی نہ کسی درجے میں منتقل ہو جایا کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔" "تم میں سے ہر شخص دیکھ لے کس سے دوستی کر رہا ہے۔ گزشتہ سطور میں ذکر کی گئی چار چیزوں سے بچنے کا اہتمام کر لیا اور چار ہی چیزیں خود پہ لازم کر لیں تو ان گھروں سے ایسی نسلیں وجود میں آئیں گی' جو لاکھوں انسانوں کی زندگی سنوارنے کا ذریعہ بنیں گی۔

محمد کاشف تبسم

اتباعِ سنت کے فضائل

شیخ مصطفیٰ حسنی السباعی لکھتے ہیں: ''سنتِ مطہرہ جو اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے' اپنی فروعات و تفصیلات کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع ہے اور اپنے متنوع نظاموں کے اعتبار سے زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور انسانی مسائل و مشکلات کو حل کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ فراخ دل اور کشادہ دامن ہے۔'' (اسلام میں سنت و حدیث کا مقام)

یہ ''سنت'' ہی ہے' جس سے ہم اسلام کے مکمل احکامات پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں' بل کہ قرآن کریم صرف اصول بیان کرتا ہے اور ان اصولوں کی تفریعات' تشریحات اور تفصیلات ''سنت'' سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر ''سنت'' کے راہی کو بہت سی خوش خبریاں اور سنت کی راہ سے ہٹنے والے کو وعیدات سنائی گئی ہیں۔ اتباعِ سنت پر اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں انعامات کی برسات کا اعلان ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ انعامات ملاحظہ کیجیے۔

اطاعت اللہ کا انعام: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کہا ہے **مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ** (النساء: 80) یعنی ''جو رسول کی اطاعت کرے' اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

رحمتِ الٰہی کا انعام: اتباعِ سنت اللہ کی رحمت کا سبب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ** (النور: 56) یعنی ''اور رسول کی فرماں برداری کرو' تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاو کیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ کی محبت کا انعام: اللہ تعالیٰ نے اتباعِ سنت پر اپنی محبت کا اعلان کیا ہے: **قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ** (الِ عمران: 31) یعنی ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو' اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

گناہوں کی مغفرت کا انعام: اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے مغفرت کی خوش خبری بھی سنائی ہے' چناں چہ اسی آیت میں ہے: **وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ** یعنی ''تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔''

دنیا و آخرت کی کام یابی: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی زبردست کام یابی کا مژدہ سنایا گیا: **وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا** (الاحزاب: 71) یعنی ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے' اس نے وہ کام یابی حاصل کرلی' جو زبردست کام یابی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈرایا ہے' چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا** (الاحزاب: 36) یعنی ''اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

''راہِ سنت'' سے اعراض کرنے والے دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد ہیں' اللہ رب العزت نے اعلان کیا: **فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ** (النور: 63) یعنی ''لہٰذا جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں' ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا انھیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔''

حضراتِ مفسرین کے نزدیک' یہاں فتنے سے مراد ایمان سے محرومی ہے' اسی لیے اللہ نے مومنین کو آپ ﷺ کی اتباع پر استقامت کی تاکید فرمائی: **وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ** (الانفال: 20) یعنی ''اور اس تابع داری سے منہ نہ موڑو' جب کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سن رہے ہو۔''

ہمیں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے' آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل پیرا ہوجانا چاہیے:

محمد کی شریعت پر سر تسلیم خم کر دو!
ہو اشارہ تو اپنے ہاتھ اپنا سر قلم کر دو!

وگرنہ! اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کا جو نقشہ کھینچا ہے' سن کر روح کانپ اٹھتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ** (النساء: 42) یعنی ''جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے' اس دن وہ تمنا کریں گے کہ کاش... ! انھیں زمین (میں دھنسا کر اس) کے برابر کردیا جائے۔'' (جاری ہے)

حضرت ہُشیم بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

یہ کسی اونچے خاندان اور مالدار گھرانے کے چشم وچراغ نہ تھے' بل کہ درمیانے گھرانوں میں سے ان کے گھرانے کا شمار ہوتا تھا اور اگر ہُشیمؒ کی علم کی خاطر قربانیاں اور حدیث کی امامت میں ان کا بلند مقام نہ ہوتا تو شاید آج ان کا اور ان کے باپ دادا کا نام ونشان تک تاریخ میں نہ ملتا۔ (جو کہ اب ہمارے پاس محفوظ ہے اور عظمت واحترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے' یہاں ان کے دادا کا نام بھی ذکر کر دینا مناسب ہے' قاسم بن دینار ان کے دادا کا نام تھا اور ان کی کنیت ابو حازم تھی)

گردشِ زمانہ نے جہاں ہزاروں نہیں' لاکھوں کروڑوں کو نظر انداز کر کے بھولی بسری داستان بنا دیا' جس میں بہت ساروں نے اپنے زمانے میں بڑا نام پایا' یا پھر اپنی مالی وجاہت یا اثرورسوخ کے بل بوتے پر خوب دندناتے پھرتے نظر آئے تھے۔ شہرت کی اُفق پر وہ آفتاب کی صبح کی مانند وہ طلوع ہوئے' مگر جب زندگی کی شام ہوئی اور قبر میں جو غروب ہوئے تو تمام تر عزتیں اور شہرتیں ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گئیں اور پھر دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت نہ ملی...!

بہت زیادہ امکان تھا کہ ہُشیم بن بشیر کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوتا' لیکن ان کی دینی خدمات ایسی نہ تھیں' جو بھلائی جاسکیں اور ان کی حدیث سے وابستگی ناقابلِ فراموش تاریخ کی حیثیت سے سامنے آئی۔

ہُشیمؒ ایک معمولی گھرانے کے نونہال تھے' سنِ بلوغ میں پہنچ کر محدّثین کی مجالس میں حاضر ہونے لگے۔ احادیث ہی کے لکھنے پڑھنے میں دن کٹتے اور راتیں بیتتیں۔ ان کے ابا جان بشیر بن حازم سالن اور ترکاری کا ٹِھیا لگاتے تھے' کبھی کبھار اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے :

"اتنا زیادہ لکھنے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے آخر؟"

ہُشیمؒ ابا جان کے ادب میں خاموش ہو جاتے' لیکن مجلس کی حاضری نہ چھوڑتے' اُس زمانے کے ایک بڑے فقیہ' مفتی اور قاضی تھے' قاضی ابو شَیبہؒ۔ جامع مسجد میں ان کا بڑا علمی حلقہ لگا کرتا تھا۔ ہُشیم نے وہاں حاضر ہونا شروع کیا۔ ایک دفعہ ان کو قاضی صاحب سے ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا' انھوں نے اپنی رائے پیش کی۔ قاضی صاحب نے جواب دیا' انھوں نے پھر اشکال کیا' یہ سلسلہ طول پکڑتا گیا اور دونوں طرف کا کمال یہ ہے کہ جیسے جیسے یہ اختلاف اور باہمی علمی بحث ومناقشہ طویل ہوتا گیا' ویسے ویسے آپس کی محبت اور

تعلق مزید بڑھتا گیا اور دوسری جانب ہُشیمؒ کی علمی صلاحیت واستعداد کی دھاک حاضرین پر بیٹھنے لگی اور ان کی مہارت کا سکّہ ان کے قلوب پر جمنے لگا اور قاضی صاحب بھی رفتہ رفتہ اُن سے متأثر ہونے لگے۔

چند روز بعد ہُشیمؒ بیمار ہوئے اور بیماری بڑھتی گئی' یہاں تک کہ بستر پر جا پڑے۔ چند روز تک مسجد میں حاضری سے قاصر رہے۔ ایک دن قاضی ابو شیبہؒ نے پوچھا : "وہ ہُشیم نظر نہیں آرہے' کیا بات ہے؟"

حاضرین نے عرض کیا : "وہ بیمار ہیں۔"

قاضی صاحب نے فرمایا: "پھر تو ہمیں ان کی عیادت کے لیے جانا چاہیے۔ چلو ان کی عیادت کے لیے چلتے ہیں۔"

قاضی صاحب جو روانہ ہوئے تو حلقہ تلامذہ' مختلف معتقدین اور حاضرین کی بڑی تعداد ساتھ ہو لی۔ چھوٹی چھوٹی تنگ گلیاں اور کچے پکے مکانات میں تو کُہرام ہی مچ گیا کہ قاضی ابو شیبہ' بشیر کے گھر آرہے ہیں۔

ایک آدمی دوڑتا ہوا بشیر کے ٹھیے پر پہنچا اور کہنے لگا :

"بھائی بشیر! جلدی اپنے بیٹے کے پاس گھر پہنچو۔"

بشیر گھبرا کر بولا : "کیا ہوا ہے اسے؟"

وہ آدمی کہنے لگا : "قاضی ابو شیبہ اس کی عیادت کے لیے آرہے ہیں۔"

یہ سننا تھا کہ بشیر نے گھر کو دوڑ لگا دی۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ قاضی صاحب' ہُشیمؒ کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے اور تسلی دے رہے ہیں۔ بشیر سے بھی ملاقات ہوئی' تعارف ہوا۔ بشیر کو بھی قاضی صاحب سے مصافحہ اور ملاقات اور کچھ دیر ہم نشینی کی سعادت نصیب ہوئی' پھر قاضی صاحب رخصت ہو گئے۔

بشیر نے اپنے بیٹے کو انتہائی محبت اور شفقت بھرے انداز میں دیکھ کر کہا :

"میں کہاں یہ امید کر سکتا تھا کہ قاضی صاحب جیسا آدمی میرے گھر میں قدم رکھے گا۔ بیٹا! آج سے پہلے تک میں تجھے علمی حلقات میں حاضری سے روکتا تھا' لیکن آج کے بعد میں کبھی تجھے منع نہیں کروں گا۔"

تعارف : شیخ الاسلام' بغداد کے محدّث اور حافظِ حدیث تھے۔ 104ھ میں واسط میں پیدا ہوئے' لیکن پھر بغداد منتقل ہو گئے اور وہیں مستقل رہائش اختیار فرمالی' تامرگ وہیں مقیم رہے۔

آپ نے کبار (بڑے) تابعین سے علم حاصل کیا' جن میں سلیمان اعمشؒ اور ابنِ شہاب زہریؒ شامل ہیں' جس محنت اور جدوجہد سے آپ نے علم حاصل کیا تھا' اس کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے اساطینِ علم آپ سے فیض یاب ہوئے اور آپ کے شاگرد بنے اور آپؒ سے مستفید ہو کر دنیا کے امام بنے' جن میں سر فہرست امام مالک بن انسؒ' سفیان ثوریؒ' امام احمد بن حنبلؒ' یحیٰ بن معینؒ اور علی بن مدینی رحمہم اللہ ہیں۔

آپؒ کو 20 ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔ کسی نے پوچھا :

"آپ کا حافظہ کیا ہے؟"

فرمایا : "ایک مجلس میں 100 احادیث یاد کر لیتا ہوں اور اگر ایک مہینے بعد بھی وہ مجھ سے پوچھی جائیں تو میں سنا سکتا ہوں۔"

عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: "زمانے نے کسی کا بھی حافظہ بدل دیا ہو' ہُشیم کا حافظہ نہیں بدل سکتا۔"

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: "میں چار یا پانچ سال مستقل ہُشیمؒ کی خدمت میں رہا' ان کی ہیبت اور رعب اتنا تھا کہ دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان سے کوئی سوال نہ کر سکا۔ ایک مرتبہ وتر کا مسئلہ پوچھا اور ایک مرتبہ ایک راوی اشعث کے متعلق پوچھا' بس۔

ہُشیمؒ اکثر حدیث بیان کرتے کرتے ذکر کرنے کے عادی تھے' اکثر اونچی آواز سے حدیث کے درمیان پڑھتے تھے "لاالٰہ الااللہ۔"

پھر امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: "میں نے جو کچھ ہُشیمؒ سے سنا تھا' وہ ان کی زندگی میں ہی میں یاد کر چکا تھا۔

موت سے 20 سال پہلے تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنے کا معمول تھا۔ اس طرح کے معمولات اور بھی دوسرے حضرات جیسے امام ابو حنیفہؒ وغیرہ سے نقل کیے گئے ہیں' لیکن ان مجاہدات میں ہر کوئی ان کی اتباع نہیں کر سکتا' اس لیے ایسے معمولات کو بطورِ عبرت ذکر کیا جاتا ہے کہ کم از کم ہم میں سے ہر ایک رات کا کچھ حصہ جاگ کر آٹھ رکعت تہجد کی تو کوشش کرے' جو کہ نبی ﷺ کی تقریباً مستقل سنت تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سنت پر پابندی سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسحاق زیادیؒ فرماتے ہیں: "میں بغداد میں رہتے ہوئے ہُشیمؒ کی مجلس میں جاتا تھا۔ ایک آدمی نے مجھے آکر بتایا کہ اس کو خواب میں نبی ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا : "تم کس سے (احادیث) سنتے ہو؟" (یعنی کس کے حلقۂ حدیث میں حاضر ہوتے ہو؟ جیسا کہ اس زمانے کا معمول تھا)

میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا اور جواباً عرض کیا :

"یارسول اللہ ﷺ! ہم ہُشیم سے سماعت کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے سکوت فرمایا' پھر کسی نے پوچھا :

"یارسول اللہ ﷺ! ہم ہُشیم سے (احادیث) سنیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا : "ہاں بالکل! ہُشیم سے سنو۔ ہُشیم بہت اچھا آدمی ہے۔"

معروف کرخیؒ فرماتے ہیں: "مجھے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ ہُشیم سے فرما رہے تھے : اللہ تمھیں میری امت کی طرف سے بہترین بدلہ اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

حاضرین میں سے ایک شخص ابنِ بشام کہنے لگا : (شاید اسے یہ امید نہیں تھی کہ ہُشیم اتنے بڑے آدمی ہیں) "ابو محفوظ! (معروف کرخیؒ کی کنیت ہے) کیا یہ خواب آپ نے دیکھا ہے؟" فرمایا : ہاں' ہُشیم تمھارے گمان سے بہت بہتر ہے' ہُشیم تمھارے گمان سے بہت بہتر ہے۔" اگرچہ خواب سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا' لیکن یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور بطورِ خوش خبری اور بشارت ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں' بل کہ اچھے اور نیک آدمی کی نیکی مزید پختہ اور یقینی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

وفات: 10 شعبان 183ھ بروز بدھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ ہمارے لیے سیکھنے اور سمجھنے کی چیز ان کی زندگی میں یہ ہے کہ انھوں نے آخرت کو اپنا مقصود بنایا۔ علم اور علما کے ساتھ جُڑے رہے۔ دین کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کیا۔ اللہ نے دنیا میں بھی عزت اور بلندی عطا فرمائی اور موت کے بعد ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے یہاں جو اکرام واعزاز ہے' وہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت جندب بن عامر رضی اللہ عنہ

طارق محمود

جنگِ یرموک کا موقع ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کے خاص سپاہی اور دین کے فدائی اپنے مالکِ حقیقی کی خوش نودی حاصل کرنے اور اسلام کے نفاذ کے لیے کفار کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنے کھڑے ہیں۔انہی سپاہیوں میں ایک کم سِن صحابیؓ ہیں، جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد حضرت عامر بن طفیلؓ کو دشمنِ اسلام جبلہ شہید کر دیتا ہے۔علّامہ محمد بن عمرالواقدیؒ رقم طراز ہیں کہ حضرت جندبؓ باوجود کم عمر ہونے کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن جرّاحؓ سے اجازت طلب کرتے ہیں اور اجازت ملتے ہی رجز کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے میدان میں جبلہ کے مدِّ مقابل آکھڑے ہوتے ہیں...

سَاَبۡذُلُ مُهۡجَتِيۡ اَبَداً لِاَنِّي
اُرِيۡدُ الۡعَفۡوَ مِنۡ رَبٍ غَفُوۡرٍ
وَ اَضۡرِبُ فِي الۡعِدیٰ جُهۡداً بِسَيۡفِيۡ
وَ اَقۡتُلُ کُلَّ جَبَّارٍ کَفُوۡرٍ
فَاِنَّ الۡخُلۡدَ وَالۡجَنَّاتِ حَقّاً
تُبَاحُ لِکُلِّ مِقۡدَامٍ صَبُوۡرٍ

”میں اپنی جان کو ہمیشہ خرچ کرتا رہوں گا، کیوں کہ میں اپنے رب کی بخشش چاہتا ہوں، میں اپنی تلوار سے دشمنوں کو مارنے کی کوشش کروں گا اور ہر ظالم مردود کو قتل کر کے رہوں گا۔جنت اور اس کے باغات یقیناً آگے بڑھنے والے صابر کے لیے ہیں۔“

جندب بن عامرؓ نے اسے للکارا اور کہا کہ ”اے میرے والد کے قاتل! کھڑا رہ، میں تجھے اس کے بدلے میں قتل کروں گا۔“ جبلہ کہنے لگا: ”تم کون ہو؟“ تو حضرت جندب بن عامرؓ نے فرمایا: ”میں عامر بن طفیل کا بیٹا ہوں۔“ جبلہ نے کہا: ”تجھے کیا ہوا لڑکے؟ کیوں اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔جاؤ! تم کم سن لڑکے ہو، میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔“ حضرت جندب بن عامرؓ نے فرمایا: ”میں یا تو اپنے والد کا بدلہ لوں گا یا پھر ان تک پہنچ جاؤں گا، کیوں کہ اللہ کی راہ میں جان دینا اللہ کو نہایت محبوب ہے۔“ یہ کہا اور جبلہ پر حملہ کر دیا۔جبلہ نے بھی حملہ کر دیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی، اِدھر جنگ کا میدان گرم تھا اور اُدھر دونوں لشکروں کی نگاہیں لڑنے والوں پر جمی ہوئی تھیں۔نوجوان کو اس بہادری سے لڑتا دیکھ کر قومِ غسان سمجھ گئی تھی کہ یہ نوجوان جبلہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے اور اُدھر مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی کہ نوجوان بہت ہمت و جرات کا مظاہرہ کر رہا ہے۔یہ دیکھ کر جبلہ کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا کہ کسی بھی وقت جبلہ کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اس لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے، تاکہ اس کے بعد ہم اس نوجوان کو قتل کر دیں۔جب دونوں بہادروں کو لڑتے لڑتے کافی دیر ہو گئی تو حضرت جندب بن عامرؓ نے جبلہ پر تلوار کا سنگین وار کیا، جس نے اس کو سُست کر دیا، لیکن جبلہ نے پلٹ کر دوبارہ حملہ کیا، جس سے اسلام کا وہ مردِ مجاہد شہید ہو گیا اور اپنے والدِ ماجد سے جاملا۔

اسلام کا یہ معرکہ تاریخی معرکہ ہے، جس پر مسلمان ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔صرف ساٹھ جنگجوؤں کے معمولی لشکر کے مقابلے میں ساٹھ ہزار کفار کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہے ... لیکن باوجود اتنی کم تعداد کے یرموک کے میدان نے بہادری اور جرات کا وہ عظیم مظاہرہ بھی دیکھا کہ ذلت و پسپائی کفار کا بدترین مقدر بنی... !!

افسوس! آج ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہم کن کے نام لیوا ہیں؟ ہمارے بڑے کون تھے؟ اُن کے کارنامے کیا تھے؟ مغربی سوچ نے ہماری اسلامی تمام تر سوچ کو ماؤف کر کے رکھ دیا ہے اور ہمارے اسلاف کی تاریخ کو گویا ہمارے ذہنوں سے کھرچنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی...

ایسے میں ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی اور تمام امتِ مسلمہ کی سوچ و فکر کو یکجا کریں اور اس بات کا احساس دلائیں کہ ہمارے بڑے کبھی کسی کے آگے نہیں جھکے، بل کہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی طاقت کا بھرپور استعمال کیا اور اپنی جرات کا لوہا منوا کر دِکھایا، یا پھر گردن کٹا کر شہادت جیسے عظیم مرتبے پر فائز ہوتے نظر آئے، لیکن دشمن کے سامنے کبھی ہتھیار نہ ڈالے۔اللہ ہمیں ہمیشہ اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور جرات و بہادری کا پیکر بن کر اسلام کا محافظ بنائے۔ آمین!

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے؟

سوال: اکثر بزرگوں نے صراطِ مستقیم کو صرف مسجد تک محدود رکھا' نیک کام صرف روزہ' زکوۃ اور نماز کو قرار دیا' جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کو کافر کہنا کیا درست ہے؟ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو کافر قرار دینا کیا صحیح ہے؟ نماز فرض ہے' فرض کریں اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہے اور چیخ چیخ کر بچاؤ بچاؤ پکار رہا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو بچالیں اور ایک فرض نماز ہے' اگر دو منٹ ہم نے صَرف کر دیے تو قضا ہو جائے گی' کیا ہم ایسے میں مصلیٰ بچھا کر دریا کے کنارے نماز ادا کریں گے؟ یا اس ڈوبتے ہوئے انسان کی زندگی بچائیں گے؟

خداوند کریم نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ترجمہ: ''دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔'' یہ سورۂ فاتحہ میں آیا ہے' جسے الحمد شریف کہا جاتا ہے' جو ہر ایک نماز میں پڑھی جاتی ہے' جس کے نہ پڑھنے سے نماز نامکمل ہوتی ہے' جسے ہم ہر نماز میں پانچ وقت پڑھتے ہیں کہ دکھا ہم کو سیدھا راستہ' کیا ہم غلط راستے پر ہیں؟ اگر نہیں تو ہم کون سا صحیح راستہ مانگ رہے ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ صراطِ مستقیم کوئی اور ہے' سیدھی راہ کوئی اور ہے جو جنت کی طرف جاتی ہے؟ کیا ہم اس راہ پر چل رہے ہیں جو صرف مسجد تک جاتی ہے؟ برائے کرم آپ ہمیں وہ طور اور طریقے بتائیں جن پر عمل کر کے ہم سیدھے راستے یعنی صراطِ مستقیم پر چل سکتے ہیں۔

جواب: واضح رہے کہ قرآن کریم نے جہاں ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: "ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما" وہیں اس سیدھی راہ کی یہ کہہ کر وضاحت بھی کر دی ہے: "اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے' نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم نام ہے نبی کریم ﷺ' صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے راستے کا' اسی صراطِ مستقیم کا مختصر عنوان اسلام ہے' قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے پاک ارشادات اسی کی تشریح کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے پا کر جتنے اعمال امت کو بتائے ہیں اور جس جس وقت کے لیے جو جو عمل بتایا' اپنے اپنے درجے کے مطابق ان سب کا بجالانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی معمولی اور حقیر سمجھنا درست نہیں' اگر ایک ہی وقت میں کئی عمل جمع ہو جائیں تو ہمیں یہ اصول بھی بتا دیا گیا ہے کہ کس کو مقدّم کیا جائے گا اور کس کو موٴخّر؟ مثلاً: آپ نے جو مثال لکھی ہے: ایک شخص ڈوب رہا ہے تو اس وقت اس کو بچانا پہلا فرض ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے کوئی نابینا کنویں یا کسی گڑھے میں گرنے لگے تو نماز توڑ کو اس کی جان بچانا فرض ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم مسجد تک محدود نہیں اور وہ شخص احمق ہے جو اسلام کو مسجد تک محدود سمجھتا ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مسجد والے اعمال ایک زائد اور فالتو چیز ہیں' بلاشبہ اسلام صرف نماز' روزے اور رحج وزکوۃ کا نام نہیں' لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ یہ چیزیں غیر ضروری ہیں' نہیں! بل کہ یہ اسلام کے اعلیٰ ترین شعائر اور اس کی سب سے نمایاں علامتیں ہیں' جو شخص مسلمانی کے دعویٰ کے باوجود نماز اور روزے کا بوجھ نہیں اٹھاتا' اس کے قدم ''صراطِ مستقیم'' کی ابتدائی سیڑھیوں پر بھی نہیں' کجا کہ اسے صراطِ مستقیم پر قرار وثبات نصیب ہوتا۔

رہی یہ بات کہ جب ہم صراطِ مستقیم پر قائم ہیں تو پھر اس کی دعا کیوں کی جاتی ہے کہ ''دکھا ہم کو سیدھی راہ'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک ہے صراطِ مستقیم پر قائم ہو جانا اور دوسری چیز ہے صراطِ مستقیم پر قائم رہنا۔ یہ دونوں باتیں بالکل جدا جدا ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص آج صراطِ مستقیم پر ہے' لیکن خدانخواستہ کل اس کا قدم صراطِ مستقیم سے پھسل جاتا ہے اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ قرآن کریم کی تلقین کردہ دعا: ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' حال اور مستقبل دونوں کو جامع ہے اور مطلب یہ ہے کہ چوں کہ آئندہ کا کوئی بھروسہ نہیں' اس لیے آئندہ کے لیے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دعا کی جاتی ہے کہ ''اے اللہ! جس طرح آپ نے محض اپنے لطف وکرم سے ہمیں اپنے مقبول بندوں کے راستے صراطِ مستقیم پر ڈال دیا ہے' آئندہ بھی ہمیں مرتے دم تک اسی پر قائم رکھیے۔''

آپ نے دریافت کیا ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا' اس کو کافر کہنا کیا درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا' لیکن وہ نماز کی فرضیت کا قائل ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں اس اعلیٰ ترین فریضہ خداوندی کو ترک کر کے بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں اور میں قصوروار اور مجرم ہوں' ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ اسے کوئی کافر کہنے کی جرات کرتا ہے' لیکن یہ شخص اگر نماز کو فرض ہی نہ سمجھتا ہو اور نہ نماز کے چھوڑنے کو وہ کوئی گناہ اور جرم سمجھتا ہو تو آپ ہی فرمایئے کہ اس کو مسلمان کون کہے گا؟ کیوں کہ اس کو مسلمان سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں پر نماز فرض ہونا ذکر فرمایا ہے' وہ نعوذ باللہ غلط ہے' کیا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی بات کو غلط کہہ کر بھی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟

آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو کافر کہنا صحیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز صحیح نہیں' بل کہ گناہِ کبیرہ ہے' مگر یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟

حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے پا کر جو دین امت کو دیا ہے' اس پورے کے پورے دین کو اور اس کی ایک ایک بات کو ماننا اسلام ہے اور ماننے والے کو مسلمان کہتے ہیں' اور دینِ اسلام کی جو باتیں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں' ان میں سے کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس میں شک وتردد کا اظہار کرنا کفر کہلاتا ہے۔ پس جو شخص دینِ اسلام کی کسی قطعی اور یقینی بات کو جھٹلاتا ہے یا اس کا مذاق اڑاتا ہے' وہ مسلمان نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین کو ماننے کا مختصر عنوان کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے۔ مسلمان یہ کلمہ پڑھ کر توحیدِ خداوندی اور رسالتِ نبوی کا اقرار کرتا ہے اور اس اقرار کے یہی معنی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو مانے گا اور نبی کریم ﷺ کے ہر فرمان کو اللہ کا فرمان سمجھے گا' اس کلمہ طیبہ کے پڑھ لینے کے باوجود جو شخص نبی کریم ﷺ کی کسی بات کو نعوذ باللہ! غلط کہتا ہے وہ اپنے اس اقرار میں قطعاً جھوٹا ہے' اس لیے ایسے شخص کو مسلمان کہنا' نبی کریم ﷺ کی تکذیب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کی اجازت ہے اور نہ کسی کافر کو مسلمان کہنے کی گنجائش ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ترجمہ: ''اے نبی! کہہ دیجیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے' اب جس کا جی چاہے (اس حق کو مان کر) مومن بنے اور جس کا جی چاہے (اس کا انکار کر دے) کافر بنے۔ (مگر یہ یاد رکھے کہ) بے شک ہم نے (ایسے) ظالموں کے لیے (جو حق کا انکار کرتے ہیں) آگ تیار کر رکھی ہے۔'' (الکھف: 29)

تقدیر برحق ہے، اس کو ماننا شرطِ ایمان ہے

سوال: 1) آدمی کے دنیا میں آنے سے پہلے تقدیر لکھ دی جاتی ہے کہ یہ آدمی دنیا میں یہ کام کرے گا۔ کیا تقدیر میں لکھا ہوتا ہے کہ جب دنیائے فانی سے رخصت ہوگا تو اس کی اتنی نیکیاں اور اتنی بدیاں ہوں گی؟ تو پھر نامہ اعمال اور تقدیر میں کیا فرق ہے؟

2) اگر کوئی آدمی مصائب وآلام میں مبتلا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر لکھی ہی اس طرح ہو گی' اور اگر کوئی عیش وعشرت سے زندگی گزار رہا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر اچھی ہے' جبکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ''جتنی کسی نے کوشش کی' اتنا ہی اس نے پایا۔'' تو تقدیر کیا ہے؟

3) اور ایک جگہ پڑھا ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا جاتا ہے' وہ بدل نہیں سکتا' جبکہ امام المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ ''مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی' اس کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''قسم ہے اپنی عزت کی! میں تیری مدد کروں گا۔'' تو کیا اس کا مطلب یہی ہے کہ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟

4) نجومی یا عامل وغیرہ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بتاتے ہیں کہ آپ کی تقدیر ایسی ہے۔ کیا اللہ کے سوا کسی کو معلوم ہے کہ آنے والا وقت کیسا ہوگا؟

5) مختصر یہ کہ کیا تقدیر آدمی پر منحصر ہے جیسی بنائے یا پہلے لکھ دی جاتی ہے' اگر پہلے لکھ دی جاتی ہے تو کیا بدل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں' کیوں کہ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہوگا۔

جواب: واضح رہے کہ تقدیر برحق ہے اور اس کو ماننا شرطِ ایمان ہے' لیکن تقدیر کا مسئلہ بے حد نازک اور باریک ہے' کیوں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور آدمی صفاتِ الٰہیہ کا پورا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بس اتنا عقیدہ رکھا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے' اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا تھا۔ پھر دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے' اس کی دو قسمیں ہیں: جو کام کرنے کے ہیں انھیں بجالانے کا حکم ہے۔ اگر انھیں اپنے ارادہ اور اختیار سے ترک کرے گا تو اس پر مواخذہ ہوگا اور جن کاموں کو چھوڑنے کا حکم ہے' ان کو اپنے ارادے اور اختیار سے چھوڑنا ضروری ہے' ورنہ تو مواخذہ ہوگا۔ الغرض جو کچھ ہوتا ہے تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے' لیکن اختیاری امور پر چوں کہ انسان کے ارادے اور اختیار کو بھی دخل ہے' اس لیے نیک وبد اعمال پر جزا وسزا ہوگی' ہمارے لیے اس سے زیادہ اس مسئلے میں کھود کرید کرنا جائز ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقدیر کے مسئلے پر بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' ہمیں بحث میں الجھے ہوئے دیکھ کر بہت غصے ہوئے' یہاں تک کہ چہرہ انور ایسا سرخ ہو گیا' گویا رُخسار مبارک میں انار نچوڑ دیا گیا ہو اور بہت ہی تیز لہجے میں فرمایا: ''کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں یہی چیز دے کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے جب انھوں نے اس مسئلے میں جھگڑا کیا' میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس میں ہرگز نہیں جھگڑنا۔'' (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "جو شخص تقدیر کے مسئلے میں ذرا بھی بحث کرے گا' قیامت کے دن اس کے بارے میں اس سے بازپُرس ہوگی اور جس شخص نے اس مسئلے میں گفتگو نہ کی' اس سے سوال نہیں ہوگا۔ (ابنِ ماجہ)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک ان چار باتوں پر ایمان نہ لائے: 1: اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

2: اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' اللہ تعالیٰ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔

3: موت اور موت کے بعد والی زندگی پر ایمان لائے۔

4: اور تقدیر پر ایمان لائے۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

ان ارشاداتِ نبوی ﷺ سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

1: تقدیر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

2: تقدیر کا مسئلہ نازک ہے' اس میں بحث وگفتگو منع ہے اور اس پر قیامت کے دن بازپُرس کا اندیشہ ہے۔

3: تدبیر' تقدیر کے خلاف نہیں' بل کہ تقدیر ہی کا ایک حصہ ہے۔

تعارف

چنے کو عربی میں حمص، فارسی میں نخود اور انگریزی میں Gram کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام Cicer Arietinum ہے۔ اس کا مزاج پہلے درجہ میں گرم و تر ہے۔ چنا ہماری خوراک میں عرصہ دراز سے استعمال ہو رہا ہے۔ ہزاروں سال پہلے کا انسان بھی چنوں کو بطورِ غذا استعمال کیا کرتا تھا۔ اسے خشک اور تازہ دونوں حالتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے بیج مختلف انداز سے پکائے جاتے ہیں اور اس کے تازہ پتوں کا سالن بھی تیار کیا جاتا ہے۔ رنگت اور جسامت کے لحاظ سے چنے کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک قسم دیسی چنا کہلاتی ہے۔ اس کی رنگت سیاہ ہوتی ہے۔ دوسری قسم کے چنے کابلی چنے کہلاتے ہیں، اس لیے ان کی جسامت بڑی ہوتی ہے۔ تاہم اطبّا کے نزدیک سیاہ چنے اپنی تاثیر کے لحاظ سے زیادہ مفید ہیں۔ قدیم دور میں کالے چنوں کو Sperm بڑھانے اور دودھ کی افزائش کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ سفیدی مائل زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ دیسی چنے کے مقابلے میں کابلی چنے کی جسامت زیادہ ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ کابلی چنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں، شاید اس چنوں پر ہلدی مل کر یا ہلدی ملے بغیر ہی تنور میں بھون لیا جاتا ہے۔ یوں یہ خوش ذائقہ، زود ہضم، خستہ اور سوندے ہو جاتے ہیں۔

فوائد

1۔ چنا نمی اور رطوبتوں کو جذب کرتا ہے۔

2۔ چنا شدید طور پر بہنے والے نزلے میں مفید ہے۔

3۔ چنوں کا آٹا اور پسی ہوئی حنا (مہندی) مساوی حصے کو بدن پر مل کر نہانا خارش خشک و تر میں مفید ہے۔

4۔ چنا بدن کو ردّی مادوں سے پاک کرتا ہے۔

5۔ چنے کے چھلکوں کو پانی میں بھگو کر صبح یہ پانی مریض کو پلا دیتے ہیں، جس سے یرقان زائل ہو جاتا ہے۔

6۔ یہ جسم کو فربہ کرتا ہے۔

7۔ چنا پیشاب آور ہے اور جلن میں تسکین دیتا ہے اور چنا قوت بخش بھی ہے، چناں چہ عام جسمانی یا جنسی کمزوری میں کھایا جاتا ہے۔

8۔ سخت نزلہ، زکام، سر کی جکڑن اور ناک بند ہونے کی صورت میں گرم بھنے ہوئے چنے سونگھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، اس طرح درد میں سکون ملتا ہے اور ناک کھل جاتی ہے۔

چنا کھار

چنے کا کھار بد ہضمی درد شکم اور قبض میں بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ چنے کے پودوں پر صبح کے وقت ایک سفید چادر بچھا دی جاتی ہے جو کہ ان پر پڑی ہوئی اوس کو جذب کر لیتی ہے پھر چادر سکھا کر یہی عمل اکیس روز کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں چادر کو پانی میں دھو کر پانی آگ پر خشک کر لیا جاتا ہے جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہی چنا کھار ہے اس کا ذائقہ کھاری ہوتا ہے۔

چنا... بالوں کا ٹانک

چنا بالوں کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ یہ بالوں کی جڑوں سے خشکی کو رفع کر کے انہیں گرنے سے روکتا اور ان کی چمک برقرار رکھتا ہے۔ اس غرض سے بیسن کو پانی میں گھول کر اس کی پتلی سی لئی بنا لیتے ہیں اور نہانے سے نصف گھنٹہ قبل اسے بالوں میں اچھی طرح لگا لیا جاتا ہے۔ غسل کے دوران میں بالوں کو اچھی طرح دھو لیتے ہیں۔ اس صورت میں سر پر صابن نہیں لگاتے بعض اوقات زخموں کو خشک کرنے اور انہیں بھرنے کے لیے بھی چنے کو استعمال کروایا جاتا ہے۔

نکھری رنگت... جلد کی حالت کرے بہتر

بیسن کو بیرونی طور پر بھی استعمال کروایا جاتا ہے۔ صابن کے بجائے بیسن سے ہاتھ منہ دھونے کے نتیجہ میں جِلد کی حالت بہتر ہو جاتی ہے اور رنگت نکھر جاتی ہے۔ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں زود حساسیت (الرجی) یا ایگزیما ہو اور اس کی وجہ سے وہ صابن استعمال نہ کر سکتے ہوں انھیں بھی بیسن سے ہاتھ دھونے چاہییں۔ جلد کی حالت بہتر بنانے کے لیے کبھی اس میں روغن بادام کا اضافہ کر لیا جاتا ہے یا پانی کے بجائے اسے دودھ میں گوندھا جاتا ہے۔

چنے کا حلوہ......چنے کا آٹا

چنے سے کئی طرح کے مقوی حلوے تیار کیے جاتے ہیں۔ چنے کا حلوہ تو بنتا ہی ہے۔ انڈوں کے حلوے میں بھی چنے کو شامل کیا جاتا ہے۔ چنے کی دال اکثر گھروں میں پکائی جاتی ہے کبھی اسے گوشت میں ملا کر پکایا جاتا ہے۔ جس سے اس کا ذائقہ اور فوائد دونوں بڑھ جاتے ہیں۔ چھلکوں سمیت جو دال پکائی جاتی ہے وہ اپنے اندر زیادہ غذائیت رکھتی ہے۔ سیاہ چنوں کو ابال کر ان کا پانی سوپ کی طرح کمزور مریضوں اور بچوں کو پلایا جاتا ہے۔ اس کے لیے چنے کا آٹا (بیسن) رات میں پانی میں بھگو دیا جاتا ہے اور صبح اس کا پانی نتھار کر پلایا جاتا ہے تو اس طرح پیشاب کھل کر آ جاتا ہے اور جسم میں پیشاب کی نالیاں دھل کر صاف ہو جاتی ہے۔

چنا اور ورزش بھی

رات میں تھوڑے سے چنے پانی میں بھگو دیے جاتے ہیں اور صبح انھیں اچھی طرح چبا کر باریک کر کے کھانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ کبھی ان چنوں کے ساتھ کشمش کے چند دانے بھی بھگو دیے جاتے ہیں۔ بعض افراد ورزش کے بعد یہی نسخہ استعمال کرتے ہیں۔

ذیابطیس کے مریضوں کے لیے انمول تحفہ

غذائیت کے اعتبار سے چنا اعلیٰ درجہ کی غذا میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں نشاستہ کی مقدار بہت کم ہے چنانچہ ذیابطیس کے مریض بیسن کی روٹی بڑے اطمینان سے استعمال کر سکتے ہیں۔ روٹی کا ذائقہ بہتر بنانے کے لیے بیسن میں گندم کا آٹا برابر مقدار میں ملا لیا جاتا ہے۔

آرد نخود کا حلوہ

ضعف باہ کے مریضوں کو آرد نخود کا حلوہ بنا کر دیتے ہیں۔ خلط صالح پیدا کرتا ہے لیکن چنے سے بنائی ہوئی غذائیں بکثرت کھانے سے مثانے میں پتھری (او گزیلیٹ آف لائم) بن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ مرض سوزاک میں چنے بھگو کر پانی پی لینا مفید ہے۔ آرد نخود سے ابٹن بھی تیار کی جاتی ہے جو دلہنوں کے چہرے نکھارنے میں مفید ثابت ہوتی ہے۔

بوٹ پلاؤ

چنے کے تازہ دانوں کو ''بوٹ'' کہا جاتا ہے۔ سبز رنگ کے ان تازہ دانوں سے تیار ہونے والا پلاؤ ''بوٹ پلاؤ'' کہلاتا ہے۔ یہ تازہ چنے کچی حالت میں بھی کھائے جاتے ہیں۔ اور اگر انہیں آگ پر بھون لیا جائے تو ان کا ذائقہ بہت اچھا ہو جاتا ہے۔ اور سہولت کے ساتھ یہ ہضم بھی ہو جاتے ہیں۔

چنے کا تجربہ

مشہور مسلمان سائنسدان زکریا رازی نے سرطان (کینسر) کے زخم بھرنے کے لیے چنے پر تجربات کیے ہیں اور اس کی تعریف کی ہے۔ تاہم اس پر مزید تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔ اس غرض سے یا تو بیسن کو آٹے کی طرح گوندھ کر گرم گرم لیپ کرتے ہیں یا چنوں کو پانی میں پیس لیا جاتا ہے اور اس کا لیپ کیا جاتا ہے۔

چنے کی دال کا حلوہ... بچے اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید

بچے اور بوڑھوں کی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے چنے کی دال کا حلوہ انتہائی مفید ہے۔ چنے کی دال کو آدھا گھنٹہ پہلے پانی میں بھگو دیں، پھر دودھ میں ابال لیں اور گل جانے پر اسے پیس لیں، پھر اصلی گھی میں چند الائچی کے دانے ڈال کر چینی شامل کر کے بھون لیں اور آخر میں چاروں مغز بادام اور دیسی انڈے ابال کر اس میں شامل کریں۔ اور ناشتے میں روزانہ استعمال کروائیں۔ یہ جسم کو بھرپور غذائیت اور توانائی فراہم کرے گا۔

اقصیٰ کے محافظ

بنتِ عاصم

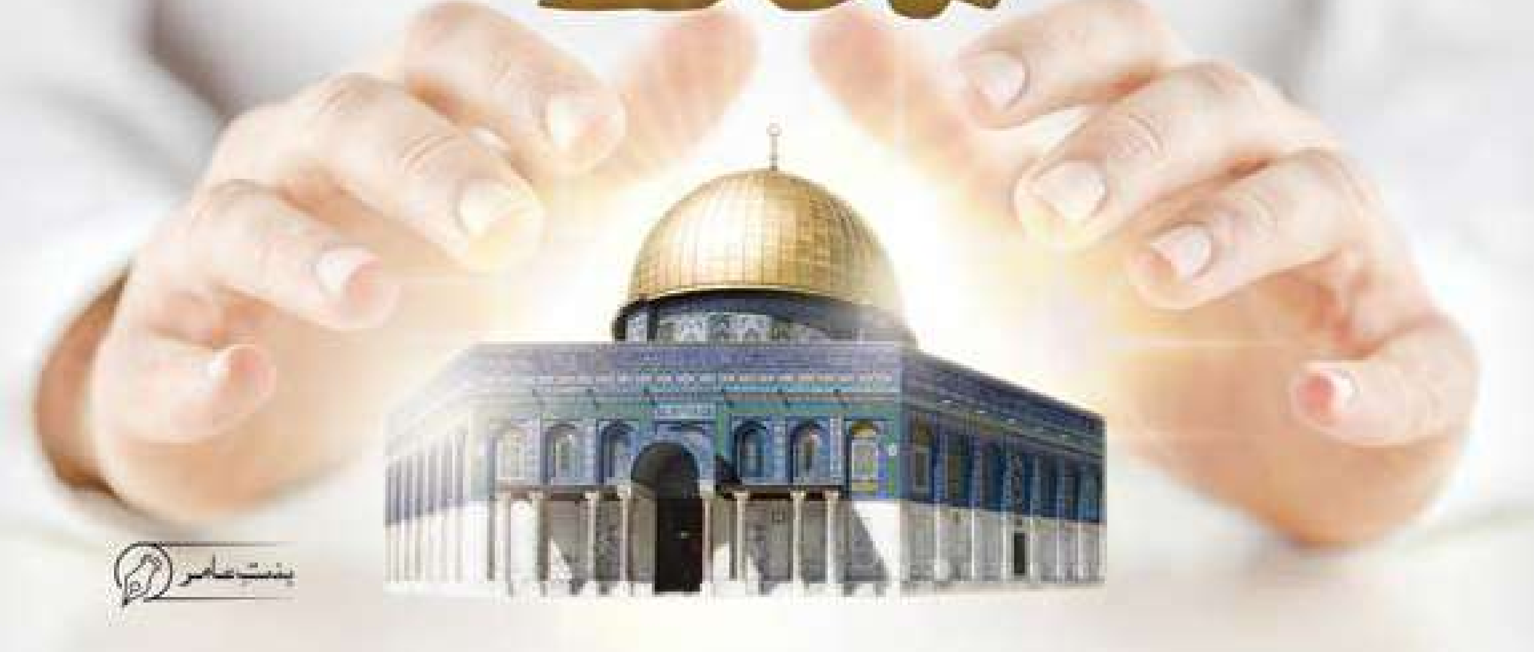

”سر ! ! اسرائیلی فوجی اسکول میں داخل ہوگئے ہیں‘ وہ یہاں تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“ چپڑاسی نے ہانپتے ہوئے پرنسپل صاحب کو اطلاع دی۔

”کیا... ! ! اسکول کی تلاشی... ! ! کیا ان چھوٹے چھوٹے بچوں کے پاس اسلحہ ہونے کی امید کوئی کر سکتا ہے ؟؟“

”سر ! ! الوگوں کا مقصد ہی ہم فلسطینیوں کو تکلیف دینا ہے۔ آئے روز کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتے رہتے ہیں اور نہ جانے تلاشی کے نام پر بچوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتے ہیں۔“ چپڑاسی خالد الراشد نے اداسی سے کہا۔

”اچھا ! میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں ۔ افسوس ہم فلسطینیوں پر... ! ! ہمارے بچے گھروں اور اسکولوں میں بھی محفوظ نہیں ہیں۔“ پرنسپل صاحب تأسف سے کہتے ہوئے اپنے دفتر سے نکلے۔

اسکول میں ہر طرف اسرائیلی فوجیوں کی نقل و حرکت ہو رہی تھی۔ ہاتھوں میں رائفلیں تھامے یہ دلیر لوگ بچوں کے سامنے بڑے اکڑ کر کھڑے تھے۔ تمام طلبا کو میدان میں جمع کر لیا گیا تھا۔ سب کے چہروں پر غم و غصے کے آثار تھے‘ البتّہ خوف زدہ کوئی بھی نہ تھا اور نہ ہی خوف کے آثار کہیں دکھائی دے رہے تھے۔ حالات نے ان بچوں کو بہت بہادر اور نڈر بنا دیا تھا‘ انھوں نے اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں اپنے پیاروں کو مار کھاتے‘ گرفتار ہوتے یہاں تک کہ ذبح ہوتے بھی کئی بار دیکھا تھا‘ لہٰذا اب ان کے اندر فقط غصہ و انتقام کے شعلے بھڑکتے تھے۔

اتنے میں ایک فوجی افسر ایک لڑکے کو گھسیٹتے ہوئے اسٹیج کی طرف لے جانے لگا۔

”ارے ! ! یہ سیف اللہ کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟“ عصام نے آہستہ سے ماذن سے پوچھا۔

”پتا نہیں ؟؟ ابھی ان بزدلوں کو معلوم نہیں کہ اللہ کی تلوار کتنی تیز ہوتی ہے اور اس کو چھیڑنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے سیف اللہ کے ساتھ۔“

اتنے میں وہ فوجی سیف اللہ کو کچھ سمجھاتے ہوئے مائیک تھمانے لگا اور ساتھ ہی استہزائیہ انداز میں اس کی کمر پر تھپکی دی۔ تمام طلبا و اساتذہ دَم سادھے کھڑے تھے۔ میدان میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سیف اللہ مائیک تھامے اسٹیج کے وَسط میں آکر کھڑا ہو گیا‘ اس نے ایک نظر فوجی افسر پر ڈالی‘ پھر اس کے لب ہلے...

فلسطین زندہ آباد اسرائیل مردہ آباد

ہم اپنی دھرتی سے ناپاک یہودیوں کو نکال کر رہیں گے...

یہ سنتے ہی تمام طلبا کِھل اٹھے‘ البتہ فوجی افسر نے سیف اللہ کی طرف ٹھٹھک کر دیکھا۔ غالباً اس نے ”اسرائیل زندہ آباد اور فلسطین مردہ آباد“ کہنے کا حکم صادر کیا تھا۔

”دیکھ لیا بزدلو ! ! اللہ کی تلوار کتنی تیز نکلی۔“ ماذن نے مسکراتے ہوئے آہستگی سے عصام کو کہا اور وہ بھی جواباً مسکرا دیا۔

”تڑاخ... ! ! !“ فوجی افسر نے ایک زنّاٹے دار تھپڑ سیف اللہ کو رسید کیا‘ جس سے تمام طلبا کی مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔ پے در پے تین چار تھپڑ رسید کرنے کے بعد فوجی افسر نے پھر اسے مائیک تھماتے ہوئے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ سیف اللہ نے مائیک پکڑا‘ کَن اَکھیوں سے فوجی افسر کو دیکھا‘ جو مسلسل اسی کی طرف متوجہ تھا۔ میدان میں موجود ہر شخص کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ آخر سیف اللہ کے نعرے ایک بار پھر فضا میں گونجنے لگے...

فلسطین زندہ آباد اسرائیل مردہ آباد

ہم اپنی دھرتی سے ناپاک یہودیوں کو نکال کر رہیں گے...

فوجی افسر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ سیف اللہ نے بڑی جرأت مندی سے فوجی افسر کی طرف دیکھا' البتہ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ بہادری اسے کتنی مہنگی پڑنے والی ہے۔ فوجی افسر نے سیف اللہ کے بال کھینچتے ہوئے زمین پر دے مارا۔ اتنے میں تمام طلباز ورزور سے فلسطین کے حق میں نعرے لگانے لگے۔

اس اچانک افتاد سے فوجی گھبرا گئے اور وہ دیوانہ وار گنوں کے بَٹ طلبا کو مارتے رہے۔ چار فوجی مسلسل سیف اللہ کو لاتیں اور مکّے مار رہے تھے۔ پورے میدان میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ طلبا نے اپنے دفاع کے لیے پتھر اٹھا لیے' آخر یہ پتھر ہی نہتّے بچوں کا واحد ہتھیار ہوتے ہیں۔ ماذن نے تاک کر ایک پتھر فوجی کی آنکھ میں مارا۔ ایک دل دوز چیخ فوجی کے حلق سے نکلی' مگر پیچھے سے ایک اور فوجی نے گن کا بَٹ ماذن کے سر پر مارا۔ عصام نے اس کا دفاع کرنا چاہا تو ایک زوردار بَٹ اس کے کندھے کو بھی لگا۔ اکثر طلباز خمی ہو چکے تھے' پھر فوجی سیف اللہ کو اپنے ساتھ گرفتار کر کے لے گئے۔ سیف اللہ جو مار کھا کھا کر لہو لہان ہو چکا تھا۔ اب اس میں اٹھنے کی سکت بھی باقی نہ تھی۔ چار اسرائیلی فوجی اس کو گھسیٹتے ہوئے اسکول کے دروازے سے نکل رہے تھے اور طلبا آنکھوں میں آنسو لیے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔

سورج کی کرنیں مسجدِ اقصیٰ پر پڑ رہی تھیں' جس کی وجہ سے وہ چمک رہی تھی گو کہ وہ اداس تھی' مگر پھر بھی چمک رہی تھی۔ ماذن اور عصام اسکول سے واپسی پر گھر جانے کے بجائے مسجدِ اقصیٰ کی طرف آ گئے تھے۔ مسجدِ اقصیٰ کے باہر اسرائیلیوں نے ایک چیک پوسٹ قائم کر رکھی تھی' جس کی وجہ سے فلسطینی ہر وقت آزادی کے ساتھ مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے' لہٰذا ماذن اور عصام نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے مسجدِ اقصیٰ کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا' وہ کٹھن لمحات میں اپنی تکلیفوں اور دکھ کا مداوا کرنے مسجدِ اقصیٰ کے پاس ہی آیا کرتے تھے اور گھنٹوں وہاں بیٹھ کر مسجدِ اقصیٰ سے باتیں کیا کرتے' اس سے عہد و پیمان کیا کرتے تھے۔ آج بھی زخمی سَر اور خون آلود بازو لیے' وہ مسجدِ اقصیٰ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ آج کے واقعے سے ان کے دل کِرچی کِرچی ہو گئے تھے۔ "اے اقصیٰ!! تجھے عزت بخشنے والے رب کی قسم!! ہم تھک گئے ہیں۔ کتنے ہی برس بیت چکے ہیں اور ہم ظلم کے سائے تَلے زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ہماری دھرتی' جس سے کبھی زیتون کی بھینی بھینی خوش بو آیا کرتی تھی' مگر اب یہاں ہر شے کو خونِ ہولی کی سُرخ رنگت سے مَل دیا گیا ہے۔ ہم یہاں روز مرتے ہیں اور روز جیتے ہیں۔ ہمارا جُرم صرف یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں! ہم فلسطینی ہیں! اور ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم اقصیٰ کے دعوے دار ہیں' اقصیٰ کے محافظ ہیں۔ اے اقصیٰ! تم گواہ رہنا... ہم تجھ سے بے وفائی ہرگز نہیں کریں گے۔ ہم کَٹ مریں گے' مگر تمہیں یہودیوں کے حوالے نہیں کریں گے۔" عصام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لَڑیاں نکل رہی تھیں' پھر ماذن نے بھی نَم آنکھوں کو مَسلتے ہوئے پُر ہمّت لہجے میں کہا: "اے اقصیٰ!! تم دیکھنا... ظلم کو ایک دن ضرور زوال ہو گا۔ ہاں!! تم وہ دن ضرور دیکھو گی۔ ہم ایوبی کے بیٹے ہیں۔ ہم اس چمن میں بہار کا موسم پھِر لائیں گے... مسرّتوں سے بھرپور صبحیں ہوں گی... رات کو ہم فلسطینی بھی مہکتے خواب دیکھیں گے... فلسطین کے قریہ قریہ میں مسکراہٹوں کی برسات ہو گی... ہاں' ہاں' اے اقصیٰ!! ہم ظالموں سے تجھ کو نجات دلائیں گے۔"

"ارے... وہ دیکھو! اس طرف دو فوجی کھڑے ہیں' کیوں نا ان کو تھوڑا سبق سکھائیں... ہم پر سیف اللہ کا قرض بھی تو ہے۔ آج کا قرض' آج ہی چکا لینا چاہیے۔" ماذن نے پرجوش انداز میں کہا۔

"کیا ہو گیا ہے ماذن!! چیک پوسٹ یہاں سے دور نہیں ہے۔ جلد ہی یہاں پورا لشکر اکٹھا ہو جائے گا اور پھر کیا ہو گا تم اس سے بخوبی واقف ہو۔" عصام نے ماذن کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ یوسف القسام شہیدؒ کا بیٹا اتنا بزدل نکلے گا... یار حکمتِ عملی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے بابا 6 سال سے رملّہ کی جیل میں قید ہیں۔ پچھلے دنوں ان کا خط آیا تھا' اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ یہودی بہت بزدل ہوتے ہیں۔ فقط نعرۂ تکبیر سے بھی کانپ جاتے ہیں۔ کیوں نا ہم انھیں نعرۂ تکبیر سے خوف زدہ کریں' پھر یہاں سے بھاگ نکلیں گے۔" ماذن کی آنکھوں میں چمک تھی۔ پھر ان دونوں نے پہاڑوں کے درمیان ایک مناسب جگہ تلاش کی' تاکہ واپسی کا راستہ آسانی سے طے ہو جائے اور چیک پوسٹ کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے' پھر ماذن اور عصام نے مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ دونوں فوجیوں کی چیخ نکل گئی اور انھوں نے اپنی رائفلوں پر گرفت مضبوط کر لیں اور حال یہ تھا کہ ان کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں' چوں کہ ماذن اور عصام پہاڑیوں میں تھے' لہٰذا اِن کی آواز میں گونج پیدا ہو گئی تھی' جس کی وجہ سے فوجیوں کو آواز کی سمت کا اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ ماذن نے بڑی پُھرتی سے منہ سے گولی کی آواز نکالی' اس پر فوجیوں نے درخت کی آڑ میں چھپ کر اندھا دُھند فائرنگ شروع کر دی۔ ساتھ ہی ایک ساتھی نے واکی ٹاکی نکالا اور چیک پوسٹ سے مدد طلب کرنے لگا۔ ماذن اور عصام فوراً پہاڑیوں کی پچھلی جانب سے نکل گئے۔ ان کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ ہاں! ہم ایوبی کے بیٹے ہیں... ہم اقصیٰ کے شیر ہیں۔

یروشلم میں جمعہ کا دن بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ ہر طرف گہما گہمی ہوتی ہے بالکل عید کی طرح۔ آخر عید کی طرح وہ لوگ یہ دن کیوں نہ منائیں' اِن کو اس دن مسجدِ اقصیٰ کے اندر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا موقع جو ملتا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کو مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی' صرف 50 سال سے زائد عمر کے بوڑھوں کو اندر داخلے کی اجازت دی جاتی ہے' البتہ جمع کو چیک پوسٹ پر طویل صبر آزما انتظار اور کڑی تلاشی کے بعد نوجوانوں' عورتوں اور بچوں کو بھی داخلے کی اجازت مل جایا کرتی تھی' مگر صرف مخصوص اوقات کے لیے۔

"امی جان! جس طرح مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے' اسی طرح مسجدِ اقصیٰ کی بھی فضیلت ہے ناں؟؟" عصام نے اپنی والدہ کے ساتھ کام نمٹاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! یہ مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔" اُمِّ عصام نے برتن دھوتے ہوئے کہا۔

"مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں ہر وقت کتنی رونق رہتی ہے۔ لوگ دور دور سے آ کر شرفِ زیارت حاصل کرتے ہیں' پھر ہماری مسجد کیوں ویران پڑی رہتی ہے؟؟ یہاں مسلمان کیوں نہیں آتے؟؟" عصام اپنی ماں کے ہاتھ سے گیلے برتن لے کر پونچھنے لگا۔ اُمِّ عصام نے ٹھٹھک کر عصام کی طرف دیکھا' پھر دوبارہ سے کام میں مشغول ہوتے ہوئے کہا۔ "کیوں کہ یہودی یہاں کسی کو آنے نہیں دیتے' وہ مسجدِ اقصیٰ پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا مسلمان اتنی آسانی سے انھیں اپنی مسجد دے دیں گے؟؟ نہیں!! ہرگز نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جب سے آنکھ کھولی ہے... اپنے لوگوں کو اقصیٰ پر قربان ہوتے دیکھا ہے۔ ہم نہتّے ہیں' کم زور ہیں' آخر کب تک پتھروں سے یہودیوں کا مقابلہ کریں گے؟؟ کیا دنیا بھر کے مسلمان ہماری مدد نہیں کریں گے؟؟ کیا وہ اقصیٰ کے محافظ نہیں ہیں؟؟ کیا مسلمان اقصیٰ کی وراثت میں حصہ دار نہیں ہیں؟؟" عصام نے جذباتیت سے بھرپور انداز میں کہا۔

"پوری مسلم اُمّہ اقصیٰ کی محافظ ہے اور مسلمان ہماری مدد کو ایک دن ضرور آئیں گے۔ اپنی مسجدِ اقصیٰ کو بچانے کے لیے وہ ابھی بھرپور تیاریاں کر رہے ہوں گے۔" اِمِّ عصام نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"اب زیادہ باتیں نہ کرو اور کام کی طرف توجہ دو۔ ہم نے چیک پوسٹ پر بھی پہنچنا ہے' اگر دیر ہو گئی تو ہمیں اندر جانے سے روک دیا جائے گا۔" اِمِّ عصام نے اپنے بیٹے کو تنبیہ کی' وہ نہیں چاہتی تھیں کہ عصام مسلم اُمّہ کی بے حسی اور غفلت کے بارے میں ان سے مزید سوالات کرے' وہ اپنے بیٹے کو مسلم اُمّہ سے بدگمان ہرگز کرنا نہیں چاہتی تھیں' انھوں نے ہمیشہ اپنے بیٹے کو یہی باوَر کروایا کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں' جب جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے' لہٰذا ہم فلسطینیوں کی تکلیفوں پر مسلم اُمّہ ضرور بے چین ہوتی ہو گی۔

آج پورے فلسطین میں صفِ ماتم بِچھا تھا۔ ہر طرف ہَل چَل مچی ہوئی تھی' کیوں کہ یروشلم کو اسرائیل کا دار الحکومت قرار دے دیا گیا تھا۔ فلسطینی عوام شاہراہوں پر اور چوکوں پر جمع ہو کر احتجاجی مظاہرے کر رہی تھی۔ ہر طرف شور اور نعرے بلند ہو رہے تھے۔

"عصام! تم نے سنا یہ کیا ہوا؟؟ کیا تمہارے کانوں نے اس پر یقین کیا؟ کیا تمہارے دل نے اس بات کو تسلیم کیا؟؟ خوب سمجھ لو...!! یہ یہودیوں نے مسلمانوں کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا ہے' لیکن اس کا خمیازہ انھیں بہت جلد بھگتنا پڑے گا۔ آخر ہم ایوبی کے بیٹے ہیں۔ اقصیٰ کے محافظ ہیں۔ مر جائیں گے' مگر اپنے فلسطین کا سودا کبھی نہیں کریں گے۔" ماذن نے آنسو بھری آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اے اقصیٰ...!! تجھے عزت بخشنے والے رب کی قسم!! اگر اسرائیلیوں نے اپنا سفارت خانہ یہاں منتقل کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔ ہم تیرے پاسبان ہیں' اگرچہ کم زور ہیں' مگر اینٹ کا جواب پتھر سے دینا بھی بخوبی جانتے ہیں۔" عصام نے نظر بھر کر مسجدِ اقصیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر ان دونوں نے اپنے اپنے بیگ کندھوں پر لٹکائے' جس میں وہ پہلے ہی پتھر بھر چکے تھے' ان کے قدم اس طرف بڑھ رہے تھے' وہاں مظاہرے ہو رہے تھے۔ وہی بیگ جس میں کل وہ کتابیں ڈال کر اسکول لے جایا کرتے تھے' آج انھی بَستوں میں اقصیٰ کے محافظوں نے اپنے فلسطین کی حفاظت کے لیے پتھر بھر لیے تھے۔

عین سڑک کے وسط میں ایک دیو ہیکل ٹینک نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ ماذن نے ایک پتھر پوری قوت سے ٹینک پر دے مارا۔

"یہ کون بہادر تھا... ذرا سامنے تو آئے... ہم بھی دیکھیں کہ کس جرأت مند نے یہ حرکت کی ہے۔" فوجی دھاڑا۔

ماذن نے ایک اور پتھر ٹینک پر دے مارا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر پڑھتے ہوئے سینہ تان کر ٹینک کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَا میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔

ہاتھ میں پتھروں سے بھرے بیگ کو پکڑے اس ننھے ابابیل کو دیکھ کر فوجیوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ سامنے کھڑے فوجی افسر نے پے در پے تین فائر کیے اور وہ گر پڑا تو عصام دیوانہ وار آگے بڑھا۔

لَنْ تَرْکَعَ اُمَّۃٌ قَائِدُھَا مُحَمَّدٌ

وہ اُمت ہرگز نہیں جھکے گی' جس کے قائد محمد ﷺ ہیں...

اس نے ماذن ہی کے بیگ سے پتھر نکال کر اُسی فوجی افسر پر دے مارا' جس نے ماذن پر گولیاں چلائی تھیں۔ یہ سب اتنا چشمِ زدن میں ہوا کہ فوجی افسر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا' مگر اللہ نے ایوبی کے دونوں بیٹوں کی شہادت ایک ساتھ لکھی ہوئی تھی۔ عصام کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ عوام نے اپنے شہیدوں کی نعش اٹھانے کی کوشش کی تو فوجیوں نے شہیدوں کے جسموں پر مزید فائرنگ کر دی اور وارننگ دی کہ اگر کوئی لاش اٹھانے کے لیے آگے بڑھے گا تو لاشوں پر مزید فائرنگ کی جائے گی۔ آخر 4 گھنٹوں بعد جب فوجیوں کو ماذن اور عصام کی موت کا یقین ہو گیا تو بزدل فوجیوں نے شہدا کی لاشیں اٹھانے کا حکم دیا' پھر ماذن اور عصام کے خون میں لتھڑے وجود کو مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں رکھا گیا۔ شہیدوں کے جسم سے آتی خوش بو سے مسجدِ اقصیٰ کا گوشہ گوشہ مہک اُٹھا تھا' وہ اقصیٰ کے دامن میں لیٹے پُرسکون چہرے کے ساتھ گویا کہہ رہے تھے

ہم نے مَر کر بھی تجھے سُرخرو کر دیا
ہم بھی تیرے شہیدوں میں شامل رہے

خوشی کی محفلیں

زینب

جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ وہاں پہنچی تو دعوت اپنے عروج پر تھی‘لیکن دعوت میں پہنچتے ہی‘اس کی ساری خوشی ہَوا ہو گئی اور اُس جگہ حیرانی نے لے لی۔وجہ یہ نہیں تھی کہ عورتوں کے پورشن میں مرد حضرات گھوم رہے تھے‘بل کہ وجہ یہ تھی کہ یہ ”صائمہ آنٹی کی بیٹی کی شادی“ تھی۔

صائمہ آنٹی کی بیٹی‘ان کے خاندان کی واحد شرعی پردہ کرنے والی خاتون تھیں‘انھوں نے شروع سے ہی اپنی بچیوں کو بھی پردہ کرایا تھا‘اس نے صائمہ آنٹی کو ڈھونڈنے کے لیے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی‘تو وہ اسے اِسٹیج کے پاس کھڑی دکھائی دیں۔وہ مکمل پردے میں ہی تھیں۔

خیر اُسے (ہانیہ کو) کچھ اطمینان ہوا۔ہانیہ نے سوچا کہ ”ہو سکتا ہے اُن کی بیٹی بھی پردے میں آئے‘مطلب گھونگھٹ نکالے۔“کیوں کہ صائمہ مرد حضرات کے سامنے ایسے تو نہیں آسکتی تھی۔خیر... تھوڑی ہی دیر میں ہانیہ کی یہ خوش فہمی بھی ختم ہو گئی‘کیوں کہ دلہن بغیر گھونگھٹ آکر اسٹیج پر براجمان ہو گئی تھی۔صائمہ نہایت دل کش لگ رہی تھی‘لیکن پردہ میں نہیں تھی۔دوپٹہ اسی طرح برائے نام لیا گیا تھا‘جس طرح خاندان کی باقی شادیوں میں عموماً دُلہنیں لیتی ہیں۔اب دولہا صاحب بھی آکر بیٹھ چکے تھے۔سب کچھ پرفیکٹ لگ رہا تھا‘مگر ہانیہ بہت عجیب محسوس کر رہی تھی۔اسے صائمہ آنٹی کی فیملی سے یہ توقع بالکل نہیں تھی‘کیوں کہ ان کی فیملی بہت مختلف تھی۔ہر معاملے میں وہ دین کو فوقیت دیتے تھے۔شروع سے ہانیہ نے یہی کچھ دیکھا تھا۔ابھی کچھ دن پہلے ہانیہ کو اپنی چچی کی کہی ہوئی بات یاد آئی‘جو انھوں نے اس حوالے سے کی تھی :

”بھئی...!!شادیاں تو ویسے ہی ہوتی ہیں‘جیسے سب خاندان والے کرتے ہیں۔فائزہ تم اس (ہانیہ) کو سمجھالو کہ راستہ درست کرے‘کیوں کہ خاندان سے ہٹ کر شادیاں تھوڑی کرنی ہے...رواجوں کو چھوڑنا تھوڑی ہے...یہ پردہ وردہ اپنی جگہ‘لیکن شادی تو خاندان کے حساب سے ہی ہو گی۔“

اور ہانیہ نے سوچا تھا کہ صائمہ آنٹی کی بیٹی کی شادی پر چچی کا خیال غلط ثابت ہو گا‘اس کے ذہن میں تو یہی تھا کہ اصل ایمان والوں کے لیے ان کا دین ہی سب سے اہم ہوتا ہے۔خاندان اور اس کے رسم و رواج تو ایسے ہی ہیں بس...!اس کے ذہن میں کَش مکش چل رہی تھی‘ تبھی اس نے امی سے کہا :

”امی پلیز...!!آپ صائمہ آنٹی سے پوچھیں تو سہی کہ یہ سب کیا ہے...؟؟یقیناانھیں مجبور کیا گیا ہے اس کے لیے‘وہ یقیناخوش نہیں ہوں گی...اُن سے پوچھیں تو سہی؟“اس بات پر امی نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔اب ان کا رخ صائمہ آنٹی کی طرف تھا۔امی نے ان سے بات شروع کی۔”بہت مبارک ہو صائمہ!بیٹی کی شادی مبارک ہو۔اللہ اس شادی میں برکت دے۔“انھوں نے خوش دلی سے کہا۔

”جزاک اللہ فائزہ‘دعاؤں میں یاد رکھنا۔بس اللہ ہی نے سارے کام کروا دیے۔ورنہ ہمارے بس میں کیا تھا۔“صائمہ آنٹی نے خوش دلی سے جواب دیا۔

”لیکن ایک بات تھی صائمہ!میں بڑی حیران ہوں...مطلب عافیہ تو پردہ کرتی ہے‘لیکن پردے کا انتظام نہیں ہے۔دوسرا تم ساری رسمیں بھی کر رہی ہو‘مطلب مہندی‘مایوں کے فنکشن...کیا کسی نے مجبور کیا ہے؟مطلب کیا لڑکے والوں کا اصرار تھا؟“انھوں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں یار بس!بات یہ ہے کہ تمھیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری فیملی کے علاوہ باقی خاندان ماڈرن ہے۔اب ہم بیٹی والے تھے۔شادی تو اسی خاندان میں کرنی تھی تو رواج بھی فالو (Follow) کرنے پڑے۔رہی بات پردے کی...تو ان شاء اللہ!شادی کے بعد قائم رکھے گی‘اگر ہم ساری ڈیمانڈیں کرتے تو شادی میں رکاوٹ آجاتی اور تمھیں تو پتا ہے کہ (بقیہ ص27پر)

محمد دانش

خط نمبر 38

باپ کا بیٹی کے نام خط

ساس بہو کا مسئلہ

میری سعادت مند بیٹی۔ہزار ہا دعائیں!

بیٹی! معاشرے میں ساس کا کردار اتنا بھیانک کر کے پیش کیا جاتا ہے، جس سے بچیاں رُخصتی سے پہلے ہی بڑی خوف زدہ ہو جاتی ہیں، گو کہ تمام ساسیں ایسی نہیں ہوتیں، لیکن ہمارا معاشرہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتا ہے۔ چناں چہ اس تصور کو ہمیشہ کے لیے اب ختم ہو جانا چاہیے۔ ساس بہو کا مسئلہ نہ صرف برصغیر میں بل کہ کافی حد تک مغربی ممالک میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس مشکل مسئلہ پر کافی غور و خوض اور تحقیق کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ در حقیقت یہ مسئلہ ''ملکیت'' کا ہے۔ جب ماں اپنے بیٹے کو صرف اپنی ''ملکیت'' سمجھے اور بیوی اپنے شوہر کو اس حد تک اپنا بنانا چاہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتے داروں سے بھی دور ہو جائے تو ایسی صورت میں کچھ اس طرح کا نقشہ سامنے آتا ہے کہ بیٹا درمیان میں ہے، اس کا ایک بازو ماں نے پکڑا ہوا ہے اور دوسرا بیوی نے اور دونوں اپنی پوری قوت سے اسے اپنی جانب گھسیٹنے کی کوشش کر رہی ہوں، اس کھینچا تانی اور رسّہ کشی میں بیٹا جس تکلیف اور اذیت سے گزرتا ہے اس کو وہی محسوس کر سکتا ہے۔

ایک جانب ماں ہے، جس کا بیٹا اس کے جسم کا حصہ ہوتا ہے، جس کے پاؤں تلے اولاد کی جنت ہوتی ہے، جس کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا اولاد کے لیے حج کے ثواب کا درجہ رکھتا ہے، جو اولاد کے لیے دنیا میں سب سے بہترین سلوک کی مستحق ہوتی ہے اور جس کی دعاؤں سے اولاد پھلتی پھولتی ہے۔ دوسری جانب بیوی جس کو شوہر کا لباس کہا گیا ہے اور اس کی قریب ترین ساتھی، دوست، شریک حیات اور اس کے بچوں کی ماں ہوتی ہے جس کو اسلام نے بہت حقوق دیے ہیں، پھر بھلا یہ دونوں محترم ہستیاں برسرِ پیکار کیوں رہتی ہیں؟ ساس بہو کا جھگڑا کیوں ختم نہیں ہو جاتا۔ کیا وجہ ہے کہ بہو جب خود ساس بنتی ہے تو بہو کے لیے اس کی شفقت اور محبت کی شدّت میں کیوں کمی آجاتی ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں عموماً لڑکوں کو بیوی اور ماں کے درمیان توازن رکھنے کی تربیت نہیں دی جاتی۔ وہ یا تو والدین کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتے یا وہ بیوی کے ہو کر والدین سے علیحدگی اختیار کر کے ان کے حقوق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اگر شوہر بیوی کے حقوق پورے کرتے ہوئے والدین کے حقوق بھی پورے کرے، دونوں کو اپنی اپنی جگہ اہمیت دے اور اپنے سلوک اور برتاؤ میں توازن قائم رکھے تو خود بھی سکون سے رہ سکتا ہے اور والدین اور بیوی کی طرف سے بھی کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ اس طرح گھر کا امن بھی برقرار رہ سکے گا۔ لہٰذا بیٹی اس ضمن میں میری تحقیق کے نتیجے میں جو میرے تجربات و مشاہدات سامنے آئے ہیں، اس سے آپ کو آگہی دے رہا ہوں۔

کچھ گھرانوں میں لڑکیوں کی مائیں اس سوچ اور عدمِ تحفّظ کا شکار ہوتی ہیں کہ اگر ان کی بیٹی اپنی ساس کو اپنی ماں سمجھنے لگے گی تو اس طرح وہ اپنی بیٹی کو کھو بیٹھیں گی۔ تحت الشعور میں اس خوف اور عدمِ تحفّظ کی وجہ سے مائیں اپنی بیٹی کے ذہن میں شروع ہی سے ''ساس'' کا ایک ظالم اور خوف ناک ہستی کی حیثیت سے تصور بٹھا دیتی ہیں۔ ایسی ہستی جو ازل سے بہو کی دشمن ہو۔ وہ اپنی بہو سے جو کچھ بھی کہے گی، وہ اسے نقصان پہنچانے اور تکلیف دینے پر مبنی ہو گا۔ وہ اپنے بیٹے سے جو بھی بات کرے گی، وہ بہو کی برائی کرنے اور بیٹے کو بہو کے خلاف بھڑکانے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ یہ تصوّر اور سوچ لے کر جب لڑکی سسرال جاتی ہے تو اسے اپنی ساس کی اچھی بات میں بھی برائی نظر آتی ہے۔ ساس کا ہر عمل اسے اپنے خلاف سازش نظر آنے لگتا ہے۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ ساس بہو کے درمیان چپقلش ہو جاتی ہے۔ دوسرے معاشروں میں بھی ساس کا کردار کچھ اچھا نہیں دِکھایا جاتا۔

اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ جب والدین اپنی بیٹی کی پرورش اور تربیت کریں تو اس کے دوران ساس کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کرائیں کہ ساس اچھی اور بُری دونوں طرح کی ہوتی ہے۔ اس لیے بہو پر لازم ہے کہ وہ شادی کے بعد ان کے رویّے اور برتاؤ کو غیر جانب دارانہ انداز میں دیکھے، پرکھے اور پھر فیصلہ کرے۔ اگر اسے اپنی ساس کے سلوک میں خلوص، محبت اور اچھائی نظر آئے تو وہ اس کو بڑھ چڑھ کر محبت اور احترام دے اور اگر ساس کے سلوک میں ظلم، زیادتی اور برائی ہو تو جہاں تک ممکن ہو صبر، تحمل اور درگزر سے کام لے اور اگر ناقابلِ برداشت ہو تو اس کا سدِّباب کرے۔

ایسی خواتین جن کو خود ظالم قسم کی ساس سے سابقہ پڑا ہو اور جو سسرال والوں کے ظلم و ستم کا شکار رہی ہوں تو ان میں سے جو سمجھ دار ہوتی ہیں وہ اپنی بہو سے شفقت اور محبت سے پیش آتی ہیں کیوں کہ وہ خود جس تکلیف سے گزر کر آتی ہیں، اس کا احساس کرتے ہوئے اپنی بہو کو وہ اذیت نہیں دینا چاہتیں، لیکن کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو انتقاماً اپنی بہو کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر تسکین محسوس کرتی ہیں۔ اس طرح کی صورتِ حال میں گھر کے ہر فرد خصوصاً شوہر اور ان کے علاوہ سسر، نند، دیور اور جیٹھ وغیرہ پر لازم ہے کہ وہ گھر کی بہو پر ظلم نہ ہونے دیں ''ظالم ساس'' کو ہر طریقے سے منع کرنے کی کوشش کریں۔ اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو خود بہو کو چاہیے کہ وہ شوہر سے کہے کہ وہ اپنی والدہ کو سمجھائیں، اگر پھر بھی فرق نہ پڑے تو بیوی کو لے کر علیحدہ رہائش اختیار کریں، لیکن بیٹا بذاتِ خود والدین کے حقوق ادا کرتا رہے، لیکن اپنی بیوی کو ''ظلم'' کا شکار نہ ہونے دے۔ یاد رکھیے بیٹی! کہ جب تک معاشرے میں ظلم و ستم برداشت کیا جاتا رہے گا، اس وقت تک ظالم ظلم کرتے رہیں گے۔ ساس اور بہو کے اس قضیہ کے سلسلے میں انشاءاللہ آئندہ خط میں تحریر کروں گا۔

دعا گو

آپ کے ابو

بقیہ خوشی کی محفلیں

تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری فیملی کے علاوہ باقی خاندان ماڈرن ہے۔ اب ہم بیٹی والے تھے۔ شادی تو اسی خاندان میں کرنی تھی تو رواج بھی فالو (Follow) کرنے پڑے۔ رہی بات پردے کی... تو ان شاءاللہ! شادی کے بعد قائم رکھے گی، اگر ہم ساری ڈیمانڈیں کرتے تو شادی میں رکاوٹ آجاتی اور تمہیں تو پتا ہے کمیٹیوں کی شادیوں میں جلدی کرنی چاہیے، ورنہ بعد میں مسئلے ہوتے ہیں۔ تم بھی یہ یاد رکھنا! شادی کے معاملوں میں کوشش کرنا کہ بات مان لینا سب کی۔ اب چلو! کھانا لگ گیا ہے۔ میں تمہیں ڈال کر دوں، پھر فوٹو شوٹ بھی شروع ہو رہا ہے۔''

''ارے نہیں نہیں! ہم لے لیں گے کھانا۔ تکلف نہ کرو۔ تم اپنے کام دیکھو۔'' فائزہ نے جلدی سے کہا۔ ہانیہ سب سن رہی تھی۔ اب اس کی حیرانی ختم ہو گئی تھی۔ اب حیرانی کی جگہ دکھ اور پریشانی نے لے لی تھی، ساتھ ہی اس نے ایک فیصلہ بھی کیا تھا۔

''پتا نہیں لوگوں کو شادی کے معاملات میں کیا ہو جاتا ہے، جنہیں لوگوں کو راستہ دکھانا چاہیے، وہی بچوں کے معاملات میں یوں بھٹک جائیں گے تو... دوسروں کا کیا ہو گا۔ دنیاوی رسم و رواج کے پیچھے آخرت کی کامیابی کو پسِ پُشت ڈالنا کوئی فائدے کا سودا تھوڑی ہے۔'' فائزہ نے ہانیہ سے کہا۔

یہ سن کر ہانیہ نے رب کا بے اختیار شکر کیا۔ یہ وہی امی تھیں، جو آج تک پردے کرنے پر ٹوکتی آئیں تھیں۔ خاص کر ان شادیوں پر وہ کہتی تھیں کہ بے شک پردہ نہ کرو، خیر ہوتی ہے۔ آج وہی امی اتنی بڑی بات کہہ رہی تھیں۔ ''امی! بس یہ اللہ کی آزمائش ہوتی ہے۔ شادی تو خیر سے سب کی ہونی ہے، لیکن کیسے ہونی چاہیے... یہ تو انسان کے ہاتھ میں ہے۔ امی! ہم نے ان شاءاللہ! یہ غلطی نہیں کرنی... آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ میری شادی میں ان تمام چیزوں کا خیال رکھیں گی...؟''

''ان شاءاللہ...! اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہے؟'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔ خاندان میں ایک نیا رواج ڈالنے کا دونوں ماں بیٹی نے عزم کیا اور کھانا کھانے چلی گئیں۔

کبھی جو ڈھونڈو تم محبت

ابلیہ مظفر

''ایمن! دروازہ لاک کر دو اندر سے۔ میں جا رہی ہوں؟''
''پر مما! اکیلے مجھے ڈر لگے گا۔'' وہ منمنائی۔
''ایمن...!!'' ایک چیخ ابھری اور دروازہ دھاڑ سے بند ہو گیا اور ایمن حسرت بھری نظروں سے دروازے کو تکتی رہ گئی۔

''مما مجھ سے بالکل بھی پیار نہیں کرتی اور نا ہی پاپا کرتے ہیں۔ کوئی بھی پیار نہیں کرتا مجھ سے۔ میں چلی جاؤں گی یہاں سے، نہیں رہوں گی۔''
یہ پندرہ سالہ ایمن ابراہیم کے معصوم سے شکوے بھی تھے، جو بڑھتے بڑھتے اس کے اندر بغاوت اختیار کر گئے تھے۔ آج صبح کا واقعہ اس کو جب جب یاد آ رہا تھا، اسے نئے سرے سے رونا آ رہا تھا۔ واقعہ اتنا بڑا نہیں تھا، اکثر ہی ایسا ہوتا تھا، لیکن ہمیشہ کی طرح احساس ایمن کو زار زار رُلا رہا تھا۔ ہوا کچھ یوں کہ صبح اس کو اسکول جلدی جانا تھا۔ میڈم کو کچھ نوٹس جمع کروانے تھے۔ اس کی آنکھ وقت پر نہ کھلی اور وہ اسکول سے لیٹ ہو گئی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر جب وہ اسکول پہنچی تو اسمبلی ہو چکی تھی اور گھنٹے شروع ہو چکے تھے۔
''میڈم! کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔'' جھکی ہوئی نظروں سے اجازت طلب کی گئی۔
میڈم پوری کی پوری ایمن کی طرف گھومی۔ میڈم کے کڑے تیور دیکھ کر ایمن ڈر سی گئی۔ ''ہم م م... آپ وقت کی بہت پابند ہیں ماشاء اللہ... !آپ کو وقت کی قدر کرنے پر باقاعدہ ایوارڈ ملنا چاہیے... اور اتنی جلدی آ کر آپ کو اجازت کی کیا ضرورت پڑ گئی بھئی...؟'' ان کا مذاق اڑاتا طنزیہ لہجہ... ساری کلاس قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور ایمن کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

میڈم کا لہجہ کوئی نیا نہیں تھا، ان کا اکثر دیر سے آنے والی لڑکیوں کے ساتھ یہی برتاؤ ہوتا تھا، لیکن اس کو جو بات تکلیف دے رہی تھی، وہ ماما کا رویہ تھا۔ اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی میڈم نے ہر بات مرچ مسالا لگا کر مما کے گوش گزار کر دی۔ ظاہر ہے مما کی دوست تھی، ان سے الگ کیسے ہوتی۔
''اُف اتنی گرمی...!!'' اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے بیگ زمین پر پھینکا، دوپٹہ ڈریسنگ پہ اور خود جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گئی۔
''دھاڑ'' دروازہ کھلا اور وہ الٹی سے سیدھی ہو گئی۔
''مما!'' ہلکی سی چیخ نکلی... اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مما گھر پر ہی ہوں گی، کیوں کہ یہ ان کا ورکنگ ٹائم تھا، وہ ایک دَم کھڑی ہو گئی۔
''ایمن...!!'' مما دھاڑی تھی۔ ایمن اندر سے پوری کی پوری کانپ گئی۔ میڈم کی باتوں نے پہلے ہی دماغ گرم کیا ہوا تھا اور اوپر سے اس کی حالت ... ہر چیز ایمن سمیت اپنی جگہ پر نہیں تھی۔
''وہ، مما! میں چینج کر ہی رہی تھی۔'' اس نے واش روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تھوک نگلا اور آگے بڑھی۔ مما کو اس کی یہ ادائے بے نیازی بری لگی۔ مما نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کیا۔
''سی...!!'' ایمن سِسکاری۔
''چٹاخ... چٹاخ... بدتمیز جان عذاب میں ڈال رکھی ہے تُو نے... زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے میری... مر کیوں نہیں جاتی تم...؟ جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے میری تم باپ، بیٹی...؟؟'' فضولیات کا ایک طوفان تھا، جو اِن کے منہ سے نکل رہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں اور کُھلے منہ کے ساتھ ان کو دیکھے جا رہی تھی، جو مار رہی تھی اور مارتی ہی جا رہی تھی۔
''ممّا پلیز...!'' عجیب بے بسی تھی، جو آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے اور الفاظ کی صورت منہ سے نکل رہی تھی ''ممّا! بس کر دیں پلیز... آئندہ نہیں کروں گی۔'' وہ اپنا قصور نہ جانتے ہوئے

Your Friend In Real Estate

جُنیداَمِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنیداَمِین

BAHRIA TOWN

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

بھی معافی مانگ رہی تھی۔

ایمن کی ممّا معاشرے میں ایک نامور ڈیزائنر کے طور پر جانی جاتی تھی‘ جن کی خوب صورتی اور اخلاق کی ایک دنیا معترف تھی‘ لیکن اِس وقت وہ اپنی بیٹی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے‘ وہ کتنی جاہل‘ گنوار لگ رہی تھی‘ یہ وہ جانتی تک نہ تھی۔

”دفع ہو جاؤ جاہل لڑکی!!“ اور ایمن زمین پر بے دم پڑی ہچکیاں لے رہی تھی۔

”بات سنو ایمن...!! میں تمہیں پہلی اور آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ آئندہ اگر تمہاری اسکول سے کوئی کمپلین آئی‘ تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ روانی سے بولتے بولتے ایمن کی ممّا سانس لینے کے لیے رُکی‘ پھر ایمن کی طرف دیکھا‘ جس کا وُجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا‘ پھر اس کو ایک تکلیف دینے والی خبر سنائی ”تمہارا باپ بیرون ملک کے مزے لوٹ رہا ہے... سو‘ رو رو کے نحوست مت ڈالو... وہ نہیں آئے گا تمہارے آنسو پونچھنے۔“ نخوت سے ساڑھی کا پلّو اپنے ہاتھ میں لپیٹتے ہوئے‘ وہ جانے کے لیے پلٹی‘ پھر مُڑ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا‘ جو بری طرح حیران تھی‘ انھوں نے آگے آئے بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ”پاپا! ایسا کیوں کِیا آپ نے...؟؟“ یہ کہتے ہوئے ایمن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

❁

شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوتا ہے کہ کب اس کو موقع ملے اور وہ اپنا وار کر سکے۔ ایمن بھی شیطان کے گھناؤنے وار کا شکار ہو گئی‘ جب ہم غلط کام کو ایک مرتبہ کرنا شروع کرتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتا... دوبارہ کرتے ہیں پھر کچھ نہیں ہوتا... پھر کرتے چلے جاتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا تو ہم اُس دَلدل میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی دھنستے چلے جاتے ہیں۔

ایمن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ارحم سے موبائل فون پہ ہونے والی بات چیت آہستہ آہستہ پارک‘ ریسٹورنٹ پہ ہونے والی ملاقاتوں سے بدلنے لگی۔ ہوس کو ایمن محبت سمجھنے لگی تھی۔

❁

ارحم کی محبت کا دورانیہ صرف تین سال تک رہا‘ پھر وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ ارحم ان مردوں میں سے تھا‘ جو بنتِ حوا کو صرف ایک کھلونا سمجھتے ہیں۔ جب تک جی چاہا کھیل لیا۔ جب جی بھر گیا تو توڑ پھوڑ کر کسی کوڑے دان میں پھینک دیا۔

وہ جو کہتا تھا کہ اس کے لیے جان بھی دے سکتا ہے‘ آج اس کی کال تک نہیں اٹھاتا۔ نجانے اسے بھول بیٹھا تھا یا بھلا بیٹھا تھا۔ آج بھی ایمن اسے پاگلوں کی طرح کال ملا رہی تھی کہ شاید وہ اٹھا ہی لے‘ غلطی سے ہی سہی اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ آج اس نے واقعی میں کال اٹھالی۔

”ارحم...! ارحم...!“ ایمن کو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ بات کیسے شروع کرے۔ ”کیا ہے ...بولو؟؟“ جان چھڑانے والے انداز میں کہا گیا۔

”ارحم تم... تم مجھ سے ناراض ہو کیا؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا؟ تم مجھ سے اب بات کیوں نہیں کرتے؟؟“ وہ روہانسی لہجہ میں بولی۔

”اُف...!! جان کو چمٹ گئی ہے۔“ ارحم نے دل میں کہا اور ہلکا سا کھنکارا پھر گویا ہوا ”بات سنو ایمن...! اتنا فضول ٹائم نہیں ہوتا میرے پاس کہ پورے دن تم سے گپّیں مارتا رہوں۔ دنیا جہاں کا فارغ نہیں ہوں میں تمہاری طرح۔“ اس کا اگلا جملہ سننے سے پہلے ہی موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گِر پڑا اور کئی ٹکڑوں میں بَٹ گیا‘ بالکل ایسے ہی جیسے وہ خود ٹکڑوں میں بَٹی ہوئی تھی۔ ارحم نے آئینہ دکھایا تھا یا دل میں اتارا تھا... معلوم نہیں؟؟ لیکن اِس تکلیف نے اُسے ہوش و خِرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔

❁

وہ ٹکٹکی باندھے چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کا شدید قسم کا ”نروس بریک ڈاؤن“ ہوا تھا‘ اس کو اس حال میں پہنچانے والے والدین کے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ اس کو ہسپتال لے جاتے۔ ماں کو ایک فنکشن میں جانا تھا اور وہ اپنی بیٹی کے لیے فنکشن چھوڑنے کی متحمّل نہ تھی۔ باپ کو آفس کا کام اپنی بیٹی سے بہر حال عزیز ہی تھا‘ سو وہ نوکروں کے رحم و کرم پر ہسپتال لائی گئی‘ اس کے ماں باپ کے پاس اس کے لیے محبت نہیں تھی تو کیا ہوا؟؟ پیسا تو تھا نا... اسی لیے وہ شہر کے مشہور ہسپتالوں میں سے ایک میں داخل تھی۔

ایمن نے محبت کے نام پر ایسی چوٹ کھائی تھی‘ جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے نگاہ ملانے کے بھی قابل نہ رہی تھی‘ اس کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے کانوں تک پھسلتے جا رہے تھے اور اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اپنے ہاتھ سے اسے صاف کر سکے۔ ”اتنی اَرزاں ہوں‘ اتنی حقیر ہوں میں۔“ وہ بلک رہی تھی ”ایسا کیوں ہوا میرے ساتھ ...؟؟ کیوں ہوا خُدایا...!! محبت کی تمنّا رکھنے والا بدکردار ہوتا ہے کیا...؟؟ میں بدکردار نہیں ہوں... تُو جانتا ہے ناخدایا...!!“ ہر اُٹھتا سوال‘ اس کے درد میں اضافہ کر رہا تھا۔ رو رو کر اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں‘ لیکن نقصان تھے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

”پس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ جو کچھ زمین میں ہے سب فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی‘ جو جلال اور اکرام والا ہے۔ پس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔“

نرس ریڈیو میں سورۂ رحمٰن لگا کر چلی گئی تھی‘ لیکن ایمن کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ قاری کی درد بھری آواز سیدھا دل میں اتر رہی تھی۔ رب اعلان کر رہا تھا!! کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ سب کچھ فنا ہونے والا ہے‘ سب کچھ... پھر وہ کس چیز کا غم کر رہی تھی؟ کس محبت کے لیے رو رہی تھی؟؟ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ... اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی‘ وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

”اللہ...!!“ اس نے زور سے پکارا‘ اس کو اپنی ہر نافرمانی‘ اپنا ہر گناہ یاد آنے لگا‘ اس کی بے بہا نعمتیں یاد آنے لگی۔

”اللہ...! اللہ...!“ وہ زور زور سے اللہ کو پکارنے لگی۔ سارے مریض حیرت سے اسے دیکھنے لگے‘ اس کا پورا وجود جھٹکے کھا رہا تھا۔ ایمن کتنی مدّت بعد اپنے رب کو پکار رہی تھی‘ اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔

”یااللہ! مجھے معاف کر دے... معاف کر دے مجھے میرے اللہ...! تُو تو جانتا ہے‘ ہر ایک نے مجھے ٹھوکر مار کر اپنے سے دور کر دیا... میرے مولا! مجھے تُو اپنے سے دور مت کرنا... مجھے معاف کر کے اپنے قریب کر لے اللہ...!! مجھے دُھتکار مت دینا میرے مولا...!! میں تیری گناہ گار بندی ہوں‘ مجھ پر اپنا رحم کر دینا اللہ...!“ ایمن اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگنے میں لگی ہوئی تھی اور ساتھ ساتھ سر سے لے کر پاؤں تک کانپ بھی رہی تھی۔

نرس نے جب اندر داخل ہو کر اس کی یہ حالت دیکھی تو پریشان ہو گئی۔

”میم...! میم آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا...؟ میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔“ وہ بھاگتی ہوئی ڈاکٹر کو بلانے گئی۔

”ڈاکٹر... ڈاکٹر صاحب! وہ بیڈ نمبر 4 کی مریضہ کی حالت بہت سیریس ہو گئی ہے۔“ پھولی سانسوں کے ساتھ نرس نے کسی طرح اپنی بات مکمل کی۔

لیکن ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے ہی ایمن ابراہیم تمام دنیاوی محبتوں یا نفرتوں سے جان چُھڑا کر اپنے رب کی حقیقی محبت و رحمت حاصل کرنے جا چکی تھی‘ جو مانگنے والے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا‘ جو معافی مانگنے والوں سے محبت کرتا ہے‘ وہ رب پھر کیسے ایمن ابراہیم کا کاسہ خالی رکھتا۔ یہ کیسا سوال تھا‘ جس کا جواب دیا گیا تھا۔ کون جانتا تھا... آج پھر ایک روح کا آسمان میں ایسا استقبال ہوا تھا‘ جس پر ملائکہ بھی رشک کرنے لگے تھے۔

ایمن کے والدین‘ جو اس کی زندگی میں اس کی قدر نا کر سکے تھے۔ آج سکتہ سی حالت میں اس جوان لاش کو تک رہے تھے‘ جو ان کی اکلوتی بیٹی کی تھی۔

”ڈاکٹر صاحب! یہ کیسے ہو گیا؟؟ بالکل... بالکل یَنگ تھی میری بیٹی تو... وہ یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی تھی؟؟“ ابراہیم صاحب بے یقینی والے انداز میں ڈاکٹر صاحب سے پوچھ رہے تھے۔

”آپ کی بیٹی کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا ابراہیم صاحب! لیکن... اتنا شدید تو واقعی نہیں تھا کہ جان چلی جاتی۔“ ڈاکٹر صاحب نے سمجھاتے ہوئے کہا‘ حالاں کہ خود ڈاکٹر بھی حیران تھا کہ اچانک اتنا سب کچھ کیسے ہو گیا۔

اب یہ لوگ کیا جانیں کہ ایمن کی لاش بزبانِ حال انھیں کیا کہہ رہی تھی...

محبت پروانہ وار کرتے ہیں...
جان اپنی نِثار کرتے ہیں...
حیا‘ حجاب مِٹا کر کچھ لوگ...
ہوس پر چار کرتے ہیں...
جو جانے روحِ محبت...
وہ رب پر فِدا جان کرتے ہیں...
سُنا ہے اب بھی ہوتی ہے محبت...
کیسے جواب دینے سے اعراض کرتے ہیں...
کبھی جو ڈھونڈو تم محبت ماآیا...
جلّ اللہ کا ہم تکرار کرتے ہیں...

بقیہ
بڑی بی

میں نے اس کو پکارا: ”کچھ سالن اور دو روٹی بڑی بی کے ہاں بھی بھجوا دے۔“ میرا پوتا سالن اور دو روٹیاں لے کر بڑی بی کے دروازے پر گیا۔ کافی دیر دروازہ کھٹکھٹاتا رہا‘ مگر انھوں نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ گھر واپس لوٹ آیا۔ ”دادی جان! دادی جان! بڑی بی نے دروازہ نہیں کھولا۔“ مجھے تشویش نے آگھیرا۔ میں نے اپنے بیٹوں سے ذکر کیا کہ بڑی بی دروازہ نہیں کھول رہیں۔ تھوڑی دیر ہی میں کافی لوگ جمع ہو گئے۔ دروازہ توڑ دیا گیا۔ بڑی بی اپنے بستر پر چت لیٹی تھیں‘ ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ ذرا ہی دیر میں سب نے ندیم‘ شمیم‘ کلیم اور ماریہ کو اطلاع کرنا شروع کر دی۔ پورا گھر ان کے رشتے داروں سے بھرنے لگا‘ جو زندگی میں کبھی نہ آئے موت پر سب آنے لگے۔ اگلے روز بڑی بی کے بیٹے‘ بہوئیں‘ پوتے‘ پوتیاں‘ بیٹی‘ داماد سب آنا شروع ہو گئے۔ میں سب کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی پوتے پوتیاں تھے‘ جن میں بڑی بی کی جان اٹکی رہتی تھی۔ ہر دن ان کو یاد کرتی تھیں۔ اپنے بچوں کے لیے تڑپتی رہتی تھیں۔ اب بھلا موت پر آنے سے ان کو کیا فائدہ‘ اگر زندگی ہی میں یہ سب آ جاتے تو وہ کتنا خوش ہوتیں۔

PUE

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بڑی بی

فوزیہ خلیل

آج پھر بڑی بی اپنے صحن میں تنہا بیٹھی تھیں۔ بہت خاموش اور بہت اداس۔ صحن میں مرغی اپنے چوزوں کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ کونے میں دونوں بکریاں بھی بندھی ہوئی تھیں، مگر بڑی بی بالکل تنہا تھیں۔ گھر بھی وہی۔ صحن بھی وہی۔ پنجرے بھی وہی۔ بڑی بی بھی وہی۔ ایک وقت تھا' اس گھر میں بچوں کی قلقاریاں گونجا کرتی تھیں۔ ندیم، شمیم اور کلیم خوب کھیلا کرتے تھے، کبھی ہاکی، کبھی کرکٹ تو کبھی فٹ بال۔ بڑی بی اونچی آواز میں تینوں لڑکوں کو بار بار ٹوکتی تھی کہ شور نہ کرو، مگر شور اور ہنگامہ کم نہیں ہوتا تھا۔ ندیم، کلیم اور شمیم کی ایک چھوٹی بہن تھی' اس کا نام ماریہ تھا۔ ماریہ والدین کی بہت لاڈلی تھی۔ اس کے خوب ناز نخرے اٹھائے جاتے تھے۔ بڑی بی کے میاں کی زیادہ تنخواہ نہیں تھی، مگر بچوں پر وہ بے جا خرچ کرتے تھے اور پھر وقت گزرتا گیا' گزرتا گیا۔ ماریہ کی شادی ہوگئی اور وہ دوسرے شہر چلی گئی۔ ندیم، کلیم اور شمیم بھی پڑھ لکھ گئے اور ایک ایک کر کے وہ بھی یہاں سے دوسری جگہوں پر چلے گئے۔ بڑی بی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور بڑی بی اکیلی رہ گئیں۔

میں چالیس سال سے بڑی بی کی پڑوسن تھی۔ ہمارا اور ان کا گھر بالکل ملا ہوا تھا۔ بڑی بی شادی کر کے اس گھر میں آئی تھیں' ان کے چاروں بچے اسی گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ یہیں پلے بڑھے تھے اور یہیں پڑھا لکھا تھا۔ میرے بچے' ندیم' شمیم کے گہرے دوست تھے۔ ہر وقت آنا جانا تھا۔ خود بڑی بی سے میری بہت گہری دوستی تھی' وہ پورے محلے میں بڑی بی ہی کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ عادت اور مزاج کی بھی اچھی تھیں۔ جلد ہی ان کی سب سے دوستی ہو جاتی تھی۔ میرے بیٹوں کی بھی شادیاں ہو گئی تھیں۔ گھر میں پوتے پوتیاں تھے۔ بیٹیوں کا دامادوں کے ساتھ آنا جانا تھا۔ میں کافی مصروف رہتی تھی، مگر جب کبھی فرصت ملتی تو بڑی بی کے پاس ضرور جاتی۔ ان کا خالی گھر دیکھ کر میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔

آج کافی دن کے بعد میں نے بڑی بی کی طرف چکر لگایا تھا' وہ صحن میں مرغیوں کو دانہ ڈال رہی تھیں۔ بہت اداس لگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں! میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ بخار ہے۔ زبان کا ذائقہ بہت کڑوا سا لگ رہا ہے۔ کچھ بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔" بڑی بی بولیں۔

"کوئی چٹ پٹی سی چیز کھانے کو جی چاہ رہا ہوگا۔ میں کچھ بنوا کر بھیجتی ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا تو وہ خاموش سی ہو گئیں' پھر بولیں:

"میری بیٹی ماریہ بڑی عمدہ اور چٹ پٹی بریانی بناتی ہے۔ کھالو تو منہ کا ذائقہ بدل جائے، مگر وہ آ نہیں سکتی۔ میں نے اس کو کہلوایا بھی تھا' مگر اس کے بچوں کے امتحانات ہونے والے ہیں۔"

"اور ندیم، شمیم اور کلیم کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔ انھوں نے ایک سرد آہ بھری پھر بولیں: ندیم کی بیوی آسیہ کے ہاتھ میں بھی بڑا ذائقہ ہے۔ خیر... میرے ساتھ تو وہ کم ہی رہی۔ جلد ہی یہ لوگ شہر چلے گئے تھے' وہ زردہ بہت مزے دار بناتی تھی۔ سب ہی لوگ بہت پسند کرتے تھے' مگر یہ لوگ بھی فی الحال یہاں نہیں آ سکتے۔ میں نے ان کو بھی کہلوایا تھا۔ ندیم کے سُسر کی طبیعت آج کل کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ندیم اور اس کی بیوی وہاں مصروف ہیں آج کل۔"

انھوں نے پھر ایک سرد آہ بھری اور بولیں: "کلیم اپنے گھر میں کچھ کام کروا رہا ہے۔ مزدور لگے ہوئے ہیں وہاں' لہٰذا وہ بھی مصروف ہے۔ شمیم کو بھی میں نے پیغام کہلوایا تھا' مگر اس کا کہنا تھا' آج کل میں آفس سے چھٹی نہیں کر سکتا۔ کام بہت زیادہ ہے اور... اور میرے پوتا پوتی' ان کی شکل دیکھنے کو بہت دل کرتا ہے۔" وہ خاموش ہو گئیں۔ میں بھی خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے میں چلی آئی۔ رات کو مجھے پھر بڑی بی کا خیال آیا۔ میری بہو کڑاہی گوشت بنا رہی تھی۔ میں نے اس کو پکارا: "کچھ سالن اور دو روٹی بڑی بی کے ہاں بھی بھجوا دے۔"

(بقیہ ص 31 پر)

"مریم! مجھے کوئی تنگ کرتا ہے، کبھی مصطفی کی شکل میں آکر تو کبھی ماموں کی شکل میں، کبھی ممانی کی شکل میں۔ مریم! میں کئی راتوں سے سو نہ..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ مریم کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ کتنے بڑے کرب میں تھی اور وہ کتنا بے خبر تھے۔

"مریم! یہ میرا کوئی ویژن (vision) نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ پچھلے دن میں نے تمہیں کمرے میں دیکھا، لیکن جب میں کمرے میں جا رہی تھی کہ تم کچن میں تھیں۔ اسی طرح پچھلے دنوں میں ممانی کو لاؤنج میں دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تو میں نے ممانی کو اپنے کمرے میں پایا، نا کہ کچن یا لاؤنج میں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر سسکیوں کے درمیان مریم کو بتا رہی تھی۔ کتنی اذیت میں تھی ذیمل... کیسی قیامت بیت رہی تھی اس پر اور اوپر سے دنیا والوں کی باتیں فراڈ، دھوکا، کتنی دکھ میں ہے

ذیمل۔ تبھی مریم نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"ذیمل! تم پریشان نہ ہو۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، اس مسئلے کا ہم حل ڈھونڈتے ہیں۔ چلو کمرے میں چلو" وہ پیار سے اسے پچکار رہی تھی "پہلے کیوں نہیں بتایا کیا تمہیں ہم پر یقین نہیں تھا، ہوں ں..." وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"نہ چلو اس کے ساتھ۔ دور ہو جاؤ، ورنہ ختم کر دوں گا۔" ذیمل نے بھیانک آواز سنی۔ "کیا... تم... مریم... تم... تمہیں کوئی آواز آئی۔" ذیمل نے ڈرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "نہیں... مجھے تو کوئی آواز نہیں آئی۔"

وہ کانوں میں انگلیاں ڈال کر سسک پڑی "مریم! وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"کوئی کچھ نہیں کر سکتا ذیمل! کیا تم نے اسے اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ طاقت ور سمجھ رکھا ہے ذیمل؟ کچھ نہیں ہو گا، اللہ سے مدد مانگو۔ اللہ کی مرضی کے بغیر، ایک پتّا بھی نہیں ہل سکتا اور تم تو پھر ایک..." وہ ہنس پڑی اور ذیمل بھی مسکرا دی۔

"ہوں ں... شاباش! یقین رکھو۔ اللہ کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" مریم نے اسے یقین دلوایا اور مصطفی کو اس عجیب مسئلے کے علاج کے لیے کسی عالمِ دین کی تلاش میں بھیج دیا۔

اس کے دوست احمد نے اسے اپنے جاننے والے مفتی صاحب کا پتا دیا۔ مصطفی وقت ضائع کیے بغیر ان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ جلد از جلد اپنی پیاری سی کزن کو صحت یاب دیکھنا چاہتا تھا، وہ بہت جلدی مفتی صاحب کے یہاں پہنچ گیا تھا۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہ انتہائی خوبصورت سا جوان ذکر میں مشغول تھا۔ اس نے ادب سے سلام کیا۔ انتہائی احترام کے ساتھ سلام کا جواب دیا گیا۔

"میرا نام مصطفی ہے۔ میں لاہور سے آیا ہوں۔ مجھے میرے دوست احمد نے بتایا ہے آپ کے بارے میں کہ آپ بہت نیک انسان ہیں اور آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔"

"سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ دعا تو تمہاری بھی قبول ہوتی ہے۔ سارے انسانوں کی دعا قبول ہوتی ہے، اگر وہ سچے دل سے دعا مانگے تو۔"

"مفتی صاحب! میری کزن بہت بیمار ہے۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ پلیز! آپ اس کے لیے دعا کریں۔" مصطفی جلدی سے بولا۔

"دعا تو وہ قبول ہوتی ہے، جو دل سے مانگی جائے اور دل سے دعا کون مانگتا ہے، جس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اب کزن آپ کی بیمار ہے، جتنے دل سے آپ اور وہ خود اپنے لیے دعا مانگے گی، شاید اتنے دل سے میں نہ مانگ سکوں، بس...! ہمیں دعا مانگنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔"

"مفتی صاحب! کوئی علاج، کوئی وظیفہ۔"

"علاج اور وظیفہ تو خود تمہارے گھر میں پڑا ہے، کسی الماری میں۔"

"کیا مطلب مفتی صاحب، وہ نا سمجھی سے گویا ہوا؟"

"نماز پڑھتے ہو؟"

"ہاں، کبھی کبھی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائے "نماز پڑھتے رہا کرو، تاکہ اس کی نظر میں رہو۔"

"کیا اب میں اس کی نظر میں نہیں ہوں؟"

"نظر تو اسے ذرے کا ذرہ بھی آتا ہے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کی نظر میں تو کالی چیونٹی، جو کالی رات میں کالے پہاڑ پر چڑھ رہی ہوتی ہے وہ بھی ہے، مگر علم میں ہونا اور نظر میں ہونا دونوں الگ الگ ہے۔ اس کے علم میں نہیں، نظر میں آنے کی سعی کرو۔"

"مفتی صاحب! اس کی نظر میں تو آپ جیسے عظیم لوگ ہی آ سکتے ہیں، مجھ جیسا شخص کہاں؟"

"مقرب تو انسان کے اعمال اسے ٹھہراتے ہیں۔ جتنی روح نیک ہو گی، اتنی مقرب ہو گی۔ وہ نہیں جو خود کو خدا کے قریب محسوس کرے، مقرب تو وہ ہے جسے خدا خود اپنے سے قریب کر لے۔ اللہ سے قریب ہونا کیا ہے جانتے ہو؟..." مفتی صاحب نے دلچسپی سے اس نوجوان سے پوچھا۔

انتہائی شرمندگی سے مصطفی نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"جو شخص مخلوق کے دلوں میں بس جائے، خالق اسے خود ہی اپنی نظروں میں بسا لیتا ہے، لیکن مخلوق کی نظر میں سمانا آسان کام نہیں ہے۔ خالق تو راضی ہو جاتا ہے، مگر... بڑی جان مارنی پڑتی ہے، بڑا ظرف پیدا کرنا پڑتا ہے، اپنا آپ مارنا پڑتا ہے اس کے بندوں کے لیے۔ رحمن کو منانا آسان ہے، مگر عبدالرحمن کو منا لینا مشکل ترین کام ہے۔ اصل راستہ ہی عبدالرحمن سے ہو کر رحمن تک جاتا ہے۔ عبادت جنت تک لے جاتی ہے اور خدمت اللہ تک۔" وہ مسکرا مسکرا کر کہہ رہے تھے، عجیب سا نور تھا ان کے چہرے پر۔ مصطفی نے پوری زندگی ایسا شخص نہیں دیکھا تھا، کتنی عجیب، کتنی اچھی اور کتنی گہری باتیں تھیں ان کی۔ وہ انھیں سوچوں میں غرق تھا کہ مفتی صاحب کی خوب صورت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"خیر چھوڑو اور گھر جاؤ۔ سورۃ بقرہ پڑھا کرو اور چاروں قل پڑھا کرو، کیوں کہ جس گھر میں سورۃ بقرۃ پڑھی جاتی ہے، وہاں شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ جاؤ گھر جاؤ اور شیاطین کو بھگا ڈالو اور یقین رکھو کہ اللہ کے کلام میں بڑی شفا ہے۔" وہ اپنے مخصوص لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"مفتی صاحب! آپ بہت نیک ہیں، مجھے آپ کی دعا چاہیے۔"

"مصطفی! جتنے دل سے تم خود دعا کرو گے، اتنے دل سے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

"لیکن مفتی صاحب ہماری دعاؤں میں اثر کہاں ہے؟"

"یقین کے ساتھ کرو گے تو اثر پیدا ہو جائے گا، ساری بات ہی یقین کی ہے۔ اپنے اندر یقین پیدا کرو، اس بچہ کی طرح جو بارش کے نفل پڑھنے کے لیے جا رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں چھتری ہے۔

ماں نے پوچھا: "بیٹا! چھتری کہاں لے کے جا رہے ہو؟" تو بچہ کہتا ہے: "امی! بارش کے لیے دعا ہو رہی ہے تو واپسی پر بارش ہو گی تو چھتری میرے پاس ہے، میں گیلا ہونے سے بچ جاؤں گا۔" اس طرح یقین پیدا کرو اپنے اندر..."

"میں پوری کوشش کروں گا دل سے دعا مانگنے کی۔" وہ سعادت مندی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مصطفی! ہم راہ دکھا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کسی بندے سے امید لگانا بھی غلط ہے۔ کوشش کرو، جو مدد کرنے والی ذات ہے، اس کی طرف پلٹو۔ ہم تو صرف وسیلہ ہیں۔" وہ بشاشت سے کہہ رہے تھے۔ مصطفی نے مصافحہ کیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ مفتی صاحب سے ملنے کے بعد اس کے دل کو عجیب سی ٹھنڈک ملی تھی۔ وہ بہت آزاد گھرانے کا فرد تھا۔ اس نے پہلی بار یہ ساری باتیں سنی تھیں، اسے بہت اچھا لگا تھا، وہ فطرتاً اچھا انسان تھا۔ اس کو وہ ماحول اور تربیت، دل میں گھر کر گیا تھا۔ اس نے قرآن ڈھونڈا۔ کتنا عرصہ بیت گیا تھا، اسے قرآن پڑھے ہوئے۔ اس نے قرآن پڑھا اور ساتھ قرآن کی سی۔ ڈی بھی لایا۔ وہ روزانہ گھر میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت لگاتا۔ اس نے ذیمل، ماریہ، ہمایوں کو بھی قرآن پڑھنے کو کہا۔ وہ روزانہ چار قل، آیت الکرسی اور سورۃ بقرۃ پڑھ کر ذیمل کو دم کرتے تھے۔ ذیمل آہستہ آہستہ صحت یابی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ مصطفی چاہتا تھا کہ ذیمل خود قرآن، نماز پڑھے، مگر ذیمل... چلو جو بھی پڑھ دیا تھا اس سے کم از کم ذیمل کی صحت تو لوٹ رہی تھی۔ ہمایوں ولا میں پہلے کی طرح خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ ہمایوں بہت خوش تھا اور مصطفی بھی بہت خوش تھا اس کی وجہ سے اس گھر میں دوبارہ ہنسی لوٹی تھی۔ مصطفی پانچ وقت کی نماز، قرآن پڑھتا اور سچے دل، یقین کے ساتھ دعا مانگتا۔ آج پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا ذیمل کو صحت یابی ملے، وہ پہلے سے کافی بہتر ہو گئی تھی۔ ہمایوں نے اپنی خواہش کا اظہار پھر سے کیا کہ مصطفی اور ذیمل کی شادی جلد ہو جانی چاہیے، مگر اس اظہار کے بعد پھر سے ذیمل کی وہی حالت اور وہی دورہ پھر سے شروع ہو گیا... (جاری ہے)

نام تو اس کا نواز تھا۔ اس کی عمر نو برس تھی۔ سب اسے پیار سے ننھا کہتے تھے۔ ننھا اپنی نانی اماں سے بہت پیار کرتا تھا۔ ننھے کی نانی بہت نیک تھیں اور اسے نیکی کی باتیں سکھاتی تھیں۔ وہ صبح سویرے اٹھتیں، نیم گرم پانی سے وضو کرتیں اور اس کے بعد نماز پڑھتیں۔ نانی کا چہرہ بہت نورانی تھا۔ انہیں نافرمان اور بدتمیز بچے سخت ناپسند تھے۔ وہ اپنے دوسرے نواسوں اور نواسیوں کو بھی سمجھاتیں۔ نادیہ، نیلم اور نوشین نانی سے اپنی گڑیا کے کپڑے سلائی کرنا سیکھتی تھیں۔ نانی، ننھے کو نارنگیاں کھلاتی تھیں۔ کھٹی میٹھی نارنگیاں ننھے کو بہت اچھی لگتی تھیں۔ ننھے کی نانی کی نظر بہت ہی کمزور تھی۔ وہ اپنی ناک پر عینک جمائے رات کو اسے نت نئی کہانیاں سناتی تھیں۔ ننھا جب بہت چھوٹا تھا اور ان کا کہنا نہ سنتا تو وہ ننھے سے ناراض ہو جاتی تھیں۔ اس کے بعد ننھا انہیں پیار کرتا اور انہیں منا لیتا تھا۔ ننھے کو اسلامی نظمیں بہت یاد تھیں۔ نانی ننھے کی نگرانی بھی کرتی تھیں۔ وہ ہر چیز نانی سے پوچھ کر کھاتا تھا۔ ننھے کی امی نجمہ کو اپنے ننھے کی بہت فکر رہتی تھی۔ ننھا بڑا شرارتی تھا۔ ان کے گھر کے آنگن میں ایک نیلم کا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے پانی کا ایک نل تھا۔ ننھا وہ نل نانی کی نظروں سے چھپ کر کھول دیا کرتا تھا اور گھنٹوں پانی سے کھیلتا رہتا تھا۔ اسے پانی سے کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔ نانی ننھے کو گیلے کپڑوں میں نہیں رہنے دیتی تھیں اور فوراً اس کے گیلے کپڑے اتروا کر دوسرے کپڑے پہنا دیتی تھیں۔ ننھے کو صبح ناشتے میں نانی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے بڑے بڑے پراٹھے کھانا پسند تھے۔ نانی نے ننھے کے لیے نیلے رنگ کا نرم اور گرم بستر بھی تیار کیا تھا جس پر لیٹ کر ننھا نانی سے روز نئی نئی کہانیاں سنتا تھا۔ بارش ہوتی تو ننھا چھپ چھپا کر پانی سے کھیلتا اور نیلی چھتری لے کر دروازے پر کھڑا ہو جاتا۔ محلے کے نذیر بھائی اسے کاغذ کی ناؤ بنا کر دیتے تو وہ خوشی خوشی اپنی نانی کو دکھاتا اور تیرتی ہوئی ناؤ دیکھ کر خوشی سے تالیاں بجاتا۔ ننھے کی نانی محلے کے بچوں کو ناظرہ قرآن پاک بھی پڑھاتی تھیں۔ گھر میں انہیں ناپاکی سخت ناپسند تھی۔ وہ بڑی نرمی سے بچوں کو پاک صاف رہنے کی ہدایت کرتی رہتی تھیں۔ گھر میں نوکروں کے ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا خود پکاتی تھیں۔ ننھے کو نانی کے پکائے ہوئے گرم گرم نان اور نہاری بہت پسند تھی۔ ننھا نالائق، نادان اور نکما بچہ نہیں تھا۔ نانی اپنے ننھے کو نڈر دیکھنا چاہتی تھیں اس لیے اسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سناتی تھیں۔ ننھا نٹ کھٹ ضرور تھا اور اس کو نئے نئے کام کرنا اچھا لگتا تھا۔ وہ اپنے نانا کے ساتھ جب بھی باہر جاتا تو نئے نئے کھلونے لاتا۔ وہ اگر ٹوٹ جاتے تو انہیں نئے سرے سے دوبارہ جوڑ دیتا۔ ننھے کی نانی اسے ڈھیروں دعائیں دیتی تھیں۔ ننھے کو جب بھی سردی میں نزلہ ہوتا تو اسے بہت چھینکیں آتی تھیں اور نانی اسے آرام کرنے کی نصیحت کرتی تھیں۔ ایک دن ننھے کے اسکول میں نعت خوانی کا مقابلہ ہوا۔ ننھے نے بھی اس مقابلے میں حصہ لیا اور اس میں اول انعام حاصل کیا۔ ننھے کی نانی اس روز بہت خوش ہوئیں اور اسے ایک کہانیوں کی کتاب انعام میں دی۔

نیک	بھلی	نورانی	روشن
نافرمان	جو کہا نہ مانے	نواسے، نواسیاں	بیٹی کی اولاد
نارنگی	سنگترے	نظر	نگاہ
نگرانی	دیکھ بھال	ناؤ	کشتی
ناظرہ	قرآن پاک دیکھ کر پڑھنا	نان، نہاری	ایک قسم کا کھانا
نادان	ناسمجھ	نکما	جو کام نہ کرتا ہو
ناکارہ	بے کار	نٹ کھٹ	شرارتی
نزلہ	زکام		

"سعد بیٹا! اٹھو اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔" سعد کی امی اسے بڑے دھیرے سے آوازیں دے رہی تھیں، لیکن وہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سعد جماعت چہارم کا طالب علم تھا۔ اس کا شمار اپنی کلاس کے ذہین طلبا میں ہوتا تھا، لیکن اس کو صبح اٹھنا بہت مشکل لگتا تھا۔ سعد کے کمرے میں لگی ہوئی گھڑی پر ساڑھے چھ بج چکے تھے۔ ہر روز اس کی گھڑی پر الارم بجتا، ایک چھوٹی سی چڑیا چوں چوں کرتی باہر نکلتی اور گھڑی "ٹن ٹن" چھ بجنے کا اعلان کرتی۔ اس کے ساتھ یہ اس کی امی اسے آوازیں دینا شروع کر دیتیں، کبھی کبھی سعد سوچتا کہ اتنی صبح صبح اسکول جانے کا خیال کس نے پیش کیا؟ اسکول دیر سے بھی تو شروع کیا جا سکتا ہے۔ آرام سے دس بجے کے قریب تاکہ بچے اپنی نیند پوری کر سکیں۔

صبح کے وقت سعد کو چڑیاں کی چوں چوں کی آواز بہت بری لگتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اس گھڑی والی چڑیا کا سیل ہی نکال دے، لیکن امی کی ڈانٹ کے خوف سے ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ جب امی جان کی آوازیں تواتر اور تیزی سے آنے لگیں تو وہ بادلِ نخواستہ اٹھا اور باتھ روم میں جا کر گھس گیا۔

اسکول سے واپسی کے وقت سعد کے دوست بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے، وہ آپس میں باتیں کرتے اور شرارتیں کرتے ہوئے آتے تو راستے سے گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا، ویسے بھی اس کا اسکول گھر سے بہت دور نہیں تھا۔ سعد نے کبھی اپنے اِرد گرد توجہ نہیں دی تھی، اس لیے وہ راستے میں آنے والی دکانوں اور لوگوں سے زیادہ واقف نہ تھا۔ آج اتفاق سے اس کے دونوں دوست آیان اور شاہان چھٹی پر تھے اور اسی لیے سعد کو گھر اکیلے واپس آنا پڑا۔ آج وہ خاموشی سے ہر چیز کا جائزہ لیتے ہوئے راستہ طے کر رہا تھا کہ اچانک اس کو کسی پتھر سے زوردار ٹھوکر لگی۔ اس کا اسکول بیگ زمین پر گر گیا اور کتابیں باہر گر گئیں۔ ابھی سعد ان کو اٹھانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور کتابیں اٹھا کر جھاڑنے لگا، وہ کتابوں کی طرف بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کتابیں سعد کی طرف بڑھا دیں۔ سعد نے اس کے ہاتھ سے کتابیں لیں اور شکریہ کہہ کر مسکرانے لگا۔ جب وہ لڑکا جو لگ بھگ اسی کی عمر کا تھا، واپس جانے لگا تو سعد نے آواز دی: "سنو! کیا نام ہے تمہارا؟" لڑکا واپس مڑا اور کہا:

"میرا نام علی ہے اور میں سامنے دکان پر کام کرتا ہوں۔ میں آپ کو روزانہ اسکول سے واپسی پر جاتے ہوئے دیکھتا تھا۔ آج اپنے مالک کے لیے چائے لینے جا رہا تھا کہ آپ کی کتابیں گری ہوئی دیکھیں تو مجھ سے رہا نہ گیا۔"

"تم پڑھتے نہیں ہو؟ اس دکان پر کیوں کام کرتے ہو؟" سعد نے پوچھا۔

علی بتانے لگا: "میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا باپ مر چکا ہے اور ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ جب میرا باپ زندہ تھا تو میں اسکول جایا کرتا تھا، لیکن اب نہیں۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے اور مجھے کتابیں بہت اچھی لگتی ہیں، لیکن میں اسکول نہیں جا سکتا۔ کام کرنا میری مجبوری ہے۔ روزانہ صبح ماں مجھے اسکول جانے کے لیے نہیں، بل کہ کام پر جانے کے لیے اٹھاتی ہے۔"

سعد کو ایسے لگا، جیسے اس کی کسی نے آنکھیں کھول دی ہوں، وہ کتنا خوش نصیب تھا کہ اس کے والدین زندہ تھے اور وہ ایک پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ اسکول جانا، پڑھنا اور دوستوں کے ساتھ مزے کرنا ہی اس کی زندگی تھی اور وہ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا تھا۔

سعد نے جمال سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی پرانی کتابیں اور کاپیاں اس کو لا کر دے گا اور جہاں کہیں مشکل ہو گی تو وہ اس کو سمجھایا کرے گا، تاکہ وہ بھی اپنی تعلیم جاری کر سکے۔ اب ہر روز صبح اس کی گھڑی کی چڑیا چوں چوں کرتی اسے جگاتی ہے تو سعد فوراً اٹھ جاتا ہے۔ اب اسے چڑیا کی آواز سُریلی لگتی ہے۔ اب سعد گھڑی کے سیل نکالنے کا نہیں سوچتا، کیوں کہ اس کی سوچ بدل چکی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کا انداز بھی...!!

HAJJ & UMRA
LUXURY & ECONOMY PACKAGES

UMRAH BOOKINGS
START NOW!

Domestic & International Ticketing

Tour Packages

Hotel Bookings

Visa Services

Al Ghaffar Travel
AGT
SINCE 1980

HEAD OFFICE
Al Ghaffar Travel Agency,
Office No.1,
Business Centre,
Mumtaz Hasan Road,
Off I.I. Chundrigar Road,
Karachi - Pakistan.

PHONE
+92 21 32431731 - 35

KARACHI
+92 300 2390512
+92 321 2400479

LAHORE
+92 321 5295069
+92 321 4205533

اللہ دیکھ رہا ہے

حمزہ عبدالرزاق متعلم درجہ ثالثہ جامعہ بیت السلام

وقاص کے تین بیٹے تھے عامر، عمار، عثمان۔ عامر سب سے بڑا بیٹا، عمار متوسط اور عثمان سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ وقاص نے ایک دن تینوں بیٹوں کو ایک کمرے میں بلایا، جہاں پر پہلے سے مالٹے کا ٹوکرا رکھا ہوا تھا۔ وقاص نے تینوں سے کہا: ”ہر کوئی ایک مالٹا لے لے اور اس کو ایسی جگہ پر کھائے جہاں اسے کوئی نہ دیکھے اور پھر اگلے دن اسی کمرے اسی کمرے میں خود جمع ہو جائیں۔“ اگلے روز تینوں بیٹے کمرے میں موجود تھے، جب وقاص کمرے میں داخل ہوئے۔ وقاص بیٹھنے سے پہلے ہی بول پڑے: ”ہاں بیٹا! کیا کِیا مالٹوں کا...؟“

عامر: (مسکرا کر) ”ابو! میں نے تو اسے کمرے میں کھالیا۔“ عمار: (چیخ کر) ”اور میں نے تو الماری میں چھپ کر کے کھایا۔“

عثمان خاموش بیٹھا ہوا تھا تو وقاص نے اس سے پوچھا: ”ہاں بیٹے! کیا کِیا مالٹے کا؟ آپ نے گھر کے باہر کہاں چھپ کر کھایا...؟“

عثمان: (مالٹا ابو کی طرف بڑھاتے ہوئے) ”نہیں ابا جان! وہ تو میرے پاس ہے، یہ لے لیں۔“

ابو: ”کیوں بیٹا! آپ نے کیوں نہیں کھایا؟“

عثمان: ”وہ دراصل بات یہ ہے کہ گذشتہ کل میرے استاد نے فرمایا تھا کہ ایک چیونٹی کالی رات کو کالے پتھر پر بھی چلے گی تو اللہ رب العزت اسے بھی جانتے ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ کوئی بھی دیکھے نہیں اور میں نے ایسی جگہیں بہت تلاش بھی کیں، ہاں! انسان تو نظروں سے اوجھل تھا، لیکن ہر جگہ اللہ کا ہی خیال آ رہا تھا جو ہر جگہ دیکھتا ہے اور میں اسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔“ وقاص نے عثمان کو اس اچھی بات پر انعامات سے نوازا۔

اس قصے سے معلوم ہوا کہ انسان جہاں اور جس جگہ بھی ہو اللہ اسے دیکھتے ہیں، چاہے وہ نماز سے چھپے یا چاہے کسی اور اعمال سے، اللہ اسے ضرور دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نماز، روزہ اور اچھی اچھی باتیں کریں، کیوں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

حرکت میں برکت

عاتکہ سلیم، کراچی

ایک مرتبہ ایک شخص نے جمعہ کے دن مسجد میں مولانا صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے انسان کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھوکا اٹھاتا تو ہے، لیکن بھوکا سلاتا نہیں ہے“ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ”اپنے رزق کے لیے حرکت کرنا بھی ضروری ہے۔“ اس شخص نے سوچا کہ چلو اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ جنگل کی طرف چلا گیا اور وہاں جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اسی طرح جب دن کا آدھا حصہ بیت گیا تو وہاں ایک کسان نے اسے دیکھ لیا۔ شام ہوئی تو وہ شخص درخت پر چڑھ گیا اور ایک شاخ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ ”مولانا صاحب نے غلط کہا تھا۔“ اچانک اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھانا لے کر اس کی طرف آ رہا تھا، وہ درخت کے پاس پہنچا اور اسے وہاں نہ پا کر واپس جانے لگا، یہ وہی کسان تھا جس نے اسے دن میں دیکھا تھا، تب اس شخص نے سوچا کہ ”یہ تو واپس جا رہا ہے، اللہ نے رزق تو پہنچا دیا، لیکن میں اسے پا نہیں سکا۔“ تبھی اسے مولانا صاحب کی بات یاد آئی کہ ”رزق کے لیے حرکت کرنا بھی ضروری ہے۔“ یہ الفاظ جب اس کے ذہن میں آئے تو اس نے کھانسنا شروع کیا۔ کھانسی کی آواز سن کر وہ کسان واپس پلٹا اور درخت پر بیٹھے اس شخص کو دیکھ لیا۔ کسان نے اسے نیچے اتر کر کھانا کھانے کو کہا۔ یوں اس شخص نے سیر ہو کر کھایا بھی اور حرکت بھی کی۔

”بچو...!! اس کا مطلب یہ ہوا کہ ”حرکت میں برکت ہے۔“

پیارے بچو!

آپ کو معلوم ہے، ہمیں سب سے زیادہ کس سے محبت ہونی چاہیے؟؟
جی...!! ہمیں پیارے نبی پاک ﷺ سے سب سے زیادہ محبت رکھنی چاہیے۔ان کے ہر ہر عمل کی اتباع کرنی چاہیے۔
ایک مرتبہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور ﷺ سے کتنی محبت تھی؟آپؓ نے ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے، اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔''
دیکھا پیارے بچو...!! ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع میں حضور ﷺ سے سچی محبت کرنی چاہیے' تاکہ نبی پاک ﷺ قیامت کے دن ہماری شفاعت فرمائیں اور سخت پیاس کے دن حوضِ کوثر سے ہمیں سیراب فرمائیں

ماہنامہ فہم دین
مارچ کے نئے سوالات

سوال نمبر1: وہ کون سے بزرگ تھے، جن کی والدہ ان کے مصلّے پر ہاتھ لگاتیں تو وہ آنسوؤں سے بھیگا ہوتا تھا؟
سوال نمبر2: قاسم نے کہاں بیٹھ کر قرآن پڑھا؟
سوال نمبر3: جب کوئی دروازہ کھٹکھٹائے اور گھر کے اندر سے پوچھا جائے کون؟ تو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہیے؟
سوال نمبر4: وہ کون ہوتا ہے جو ہتھوڑا، کنگھی جیسی چیز کے گم ہونے پر نہیں چلاتے؟
سوال نمبر5: ''استاد جی جب آئیں گے تو میں سبق نہیں پڑھانے دوں گا۔'' یہ جس شاگرد نے کہا اس کا کیا حشر ہوا؟

فروری کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر1: حیدر علی
سوال نمبر2: ایثار کا
سوال نمبر3: حضرت ابو عبداللہ حارث محاسبیؒ
سوال نمبر4: سیدۃ التابعیات حضرت حفصہ بنتِ سیرینؒ
سوال نمبر5: گوگھی

فروری کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...خولہ یاسمین' درسِ نظامی' کراچی
2...عیان عمران' لیول ون بی' کراچی
3...فاطمہ خالد' حفظ' کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام' عمر' کلاس' ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا' ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا۔اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں'
یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کردیں۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں' ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے' تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں' پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل' دوم' سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

پنجاب کے مشہور اور ہر دل عزیز شاعر امام دین گجراتی ایک دن اپنے چند مداحوں کے ساتھ سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔
ایک مداح نے کہا: ''حضرت! یہ جی ٹی روڈ ہے' اس کی شان میں کچھ ارشاد ہو جائے۔'' کہنے لگے: ''لو...! پھر سن لو۔

یہ سڑک.........!!!!
لاہور سے پنڈی کو جاتی ہے بے دھڑک!

شاگردوں نے کہا: ''جناب! یہ کیسا شعر ہے؟پہلا مصرع اتنا مختصر اور دوسرا اتنا طویل...! شعر کا وزن مناسب نہیں۔''
امام دین فرمانے لگے: ''ارے نالائقو...!! تم کیا جانو امام دین کے تخیّل کو...؟
بات یوں ہے کہ شعر کا پہلا مصرع سڑک کی چوڑائی کو ظاہر کر رہا ہے' جب کہ دوسرا مصرع سڑک کی لمبائی کو۔ (علمی مزاح)

ایک دیہاتی صحرائی عرب کے باشندوں میں سے ایک شہری کے یہاں آیا۔اس نے اس کو اپنے یہاں بطورِ مہمان ٹھہرایا۔اس کے پاس بہت مرغیاں تھیں اور اس کے گھر والوں میں ایک بیوی' دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔یہ شہری میزبان بیان کرتا ہے کہ ''میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''آج ناشتہ کے لیے مرغی بھون کر لے آنا۔'' جب ناشتہ تیار ہو کر آگیا تو میں' میری بیوی' دونوں بیٹے' دونوں بیٹیاں اور وہ دیہاتی سب ایک دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ہم نے وہ بُھنی ہوئی مرغی اس کے سامنے کر دی اور کہا: ''آپ ہمارے درمیان تقسیم کریں۔'' اس نے کہا: ''تقسیم کرنے کا کوئی بہت اچھا طریقہ تو میں نہیں جانتا' لیکن اگر تم لوگ میری تقسیم پر راضی ہو تو میں سب پر تقسیم کرنے کو تیار ہوں۔'' ہم نے کہا: ''ہم سب راضی ہیں۔'' اب اس نے مرغی کا سَر پکڑ کر کاٹا اور وہ مجھے دیا اور کہا: ''راس (یعنی سَر) رئیس کے لیے۔'' پھر دونوں بازو کاٹے اور کہا: ''دونوں بازو دونوں بیٹوں کے لیے۔'' پھر دونوں پنڈلیاں کاٹیں اور کہا: ''ساقین دونوں بیٹیوں کی۔'' پھر پیچھے سے دُم کا حصہ کاٹا اور بولا: ''عجوز (بڑھیا) کے لیے۔'' پھر کہا: ''زور (یعنی دھڑ کا پورا حصہ) زائر (مہمان) کا۔'' اس طرح پوری مرغی پر قبضہ جما لیا۔
جب اگلا دن آیا تو میں نے بیوی سے کہا: ''آج پانچ مرغیاں بھون لینا۔'' پھر جب صبح کا ناشتہ لایا گیا تو ہم نے اس سے کہا: ''تقسیم کیجیے۔'' تو کہنے لگا: ''میرا خیال یہ ہے کہ آپ صاحبان کو میری کل کی تقسیم قابلِ اعتراض لگی۔'' ہم نے کہا: ''نہیں' نہیں...ایسا بالکل نہیں ہوا' آپ تقسیم کیجیے۔'' دیہاتی کہنے لگا: ''جُفت کا حساب رکھوں یا طاق کا؟'' ہم نے کہا: ''طاق کا۔'' تو کہا: ''بہتر...!! تو یہ تو اور تیری بیوی اور ایک مرغی' پورے تین ہوگئے (یہ کہہ کر) ایک مرغی ہماری طرف پھینک دی۔ پھر کہا اور تیرے دونوں بیٹے اور ایک مرغی' پورے تین ہوگئے (یہ کہہ کر) دوسری مرغی ان کی طرف پھینک دی۔ پھر کہا اور تیری دونوں بیٹیاں اور ایک مرغی' پورے تین ہوگئے (یہ کہہ کر) تیسری مرغی ان کی طرف پھینک دی۔ پھر کہا میں اور دو مرغیاں پورے تین ہوگئے۔'' اور خود دو مرغ لے کر بیٹھ گیا' پھر ہمیں یہ دیکھ کر کہ ہم اس کی دو مرغیوں کو دیکھ رہے ہیں بولا: ''تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو...؟؟ شاید تم لوگوں کو میری طاق والی تقسیم پسند نہیں آئی' وہ تو اسی طرح صحیح آسکتی ہے۔'' ہم نے کہا: ''اچھا!! تو جفت کے حساب سے تقسیم کیجیے۔'' یہ سن کر دیہاتی نے سب مرغیوں کو اکٹھا کر کے سب کے سامنے رکھ لیا اور بولا: ''تو اور تیرے دونوں بیٹے اور ایک مرغی' چار ہوگئے (یہ کہہ کر) میری طرف ایک مرغی پھینک دی اور بڑھیا اور اس کی دونوں بیٹیاں اور ایک مرغی' یہ چار ہوگئے (یہ کہہ کر) ایک مرغی ان کی طرف پھینک دی اور میں اور تین مرغیاں مِل کر چار ہوگئے (یہ کہہ کر) تین مرغیاں' اپنے آگے رکھ لیں۔'' پھر اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! تیرا بڑا احسان ہے کہ تو نے مجھے اس تقسیم کی سمجھ عطا فرمائی۔'' (لطائفِ علمیہ)

یہ سڑک

موج تبسم

ابنِ تبسم

یومِ پاکستان

جوہرؔ عباد

تئیس مارچ ہمارا ہے یومِ پاکستان
مل کے خوب مناتی ہے قومِ پاکستان
منٹو پارک میں ہوا اجلاسِ پاکستان
یہیں سے پڑی پھر اساسِ پاکستان
منظور ہوئی یہ قراردادِ پاکستان
لے کے رہیں گے ملک خدادادِ پاکستان
تھی لاہور میں یہ یادگارِ پاکستان
بعد میں بنا پھر مینارِ پاکستان
لا الٰہ الاّ اللّٰہ بنیادِ پاکستان
لیلۃ القدر شبِ آزادِ پاکستان
شاعرِ مشرق کا تھا خوابِ پاکستان
رب نے دی تعبیرِ لاجوابِ پاکستان
لاکھوں جانیں دے کر ملا ہے پاکستان
قائد کی محنت کا صلہ ہے پاکستان
پرچم سبز ہلالی نشانِ پاکستان
لہرا کر دکھاتا ہے شانِ پاکستان
ہے یقینِ محکم سوغاتِ پاکستان
تنظیم، اتحاد، کائناتِ پاکستان
سندھ، پنجاب اور بلوچستان پاکستان
خیبر پختونخواہ و بلتستان پاکستان
سارے مسلمانوں کی جاں ہے پاکستان
پاکستانیوں کی جانِ جاں ہے
رہے خوش و خرم و شاد پاکستان
نعرہ سب لگائیں زندہ باد پاکستان
دنیا میں نہیں ہے مثالِ پاکستان
جوہرؔ سر بلند ہو اقبالِ پاکستان

بھلائی آج ہی کر لے

ابن گل

عمل کے ہاتھ سے تو جو ادا تحریر کرتا ہے
اسی نسبت سے ہی کاتب جزا تحریر کرتا ہے
صبح کے سرد لمحوں میں، صبا کے تیز جھونکوں میں
کوئی غفلت کے بستر پر جفا تحریر کرتا ہے
کوئی شاموں کے ماتھے پر گناہ گاری کی کالک سے
عذاب آلود صبحوں کی فضا تحریر کرتا ہے
بڑا نادان ہے وہ بھی سمندر میں اترتا ہے
تو ساگر کے کنارے پر دعا تحریر کرتا ہے
کبھی واپس نہ آؤں گا، بھلائی آج ہی کر لے
صبح سورج چڑھے دن یہ صدا تحریر کرتا ہے
جو اہلِ درد ہوتا ہے، وہ اشکوں کی سیاہی سے
ندامت کے صحیفے میں صفا تحریر کرتا ہے
تو آپ اپنا محاسب ہو کہ روز و شب کے کاغذ پر
تو فردا کے لیے اس پل میں کیا تحریر کرتا ہے

مزدور بچے

ہما اعظمی

یہ مزدور بچے کتابوں سے دور — خیالوں کے رنگین خوابوں سے دور
وہ سگنل کی جلتی ہوئی بتیاں — امیدوں کی ہیں سرخ سبز گتھیاں
ہیں کنگن گلوں کے مہکتے ہوئے — جو لے کر ہے بچی بھٹکتے ہوئے
کیے جارہی ہے شرارے عبور — خزاؤں میں جلتی بہاروں سے دور
کسی کی نظر کے سہارے سے دور — ہیں سڑکوں کے پتھر کنارے سے دور
یہ گاڑی کے نیچے ہیں لیٹے ہوئے — یہ تاروں، یہ پیچوں سے الجھے ہوئے
یہ کاروں کے شیشے بھی دھوتے ہوئے — یہ اسکول بستوں کو تکتے ہوئے
یہ کچرے کے ڈھیروں میں ردی چنیں — نہیں حق ان کو کہ موتی چنیں
یہ چھوٹا ہے پانا اٹھا لائے گا — کداوں کا بوجھ اٹھا پائے گا
کسی کچے گھر کا سہارا ہے یہ — کسی بوڑھی ماں کا دلارا ہے یہ
ہیں مزدور بچے بہت محنتی — کتابوں سے کریں کیسے دوستی

بچوں کے فن پارے

The Burger Shack
AMAZING DEALS
DEAL 1
1 SHACK ORIGINAL
1 JALAPENO CRUNCH
1 ONION RING
1 FRIES
2 DRINKS
Rs. 600
DEAL 2
1 SHACK ORIGINAL
1 FULLHOUSE
1 JALAPENO CRUNCH
1 CLASSIC CRUNCH
1.5 ltr DRINK
Rs. 960
*Inclusive of all taxes.
FREE DELIVERY TO FORUM OFFICES
+92 316 2129696
Khayaban-e-Seher,DHA | Shaheed-e-millat
Zamzama | The Forum Mall | Lucky One Mall
www.burgershack.org

حمدِ باری تعالیٰ

وہ قطرے کو سمندر اور ہَوا کو آندھیاں کر دے
جھپکتے ہی پلک زیرِ زمیں سب بستیاں کر دے
اسی کی حکمرانی ہے شکستہ بادبانوں پر
وہ دریا پار جب چاہے ہماری کشتیاں کر دے
خدا رکھے گا اس کو حشر تک قعرِ مذلّت میں
جو شانِ مصطفیٰ ﷺ میں جان کر گستاخیاں کر دے
تِرا جلوہ نظر آئے نہ جس آئینۂ دل میں
مِرے اللہ ایسے آئینے کو کِرچیاں کر دے
بدلتے موسموں کے ظلم کی یلغار سے پہلے
چمن کے ذرّے ذرّے کو خدایا بجلیاں کر دے
گدا و شاہ دونوں حاشیہ بردار ہیں لیکن
جسے چاہے عطا وہ جذب کی سرمستیاں کر دے
دعا مانگیں تو بس اتنی دعا مانگیں سہیلؔ اس سے
متاعِ عجز سے لبریز سب کی جھولیاں کر دے

سہیلؔ غازی پوری

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

فہم و دانش علم و حکمت کے دریچے کھل گئے
آپ ﷺ آئے تو صداقت کے دریچے کُھل گئے
نفرتوں کی وادیوں میں پھول اُلفت کے کھلے
کوہ و صحرا میں محبت کے دریچے کُھل گئے
منتظر مدّت سے تھے جس کے اسیرانِ بلا
آمنہؓ کے گھر وہ رحمت کے دریچے کُھل گئے
جہل کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مخلوق تھی
ایک اُمّی سے فضیلت کے دریچے کُھل گئے
کل مومن اخوۃ کا درس امت کو دیا
قلبِ مومن میں اخوت کے دریچے کُھل گئے
جبلِ رحمت پر دیا جو خطبہ حج الوداع
ہر اصولِ آدمیت کے دریچے کُھل گئے
اسوۂ سرکار ﷺ پر جو بھی چلا دل سے جمیلؔ
عاقبت میں اس کی جنت کے دریچے کُھل گئے

جمیلؔ عظیم آبادی

گلدستہ

ادلے کا بدلہ

ابنِ خریفؒ کہتے ہیں کہ میرے والدماجد نے کچھ کپڑا فروخت کرنے کے لیے مشہور دلّال احمد بن طبیب کو دیا 'انھوں نے کپڑا بیچ کر پیسے لا کر میرے والد کے حوالے کیے۔میرے والد نے پوچھا: ”کپڑا کس کو بیچا؟“احمد نے جواب دیا : ”کوئی مسافر تھا۔“والد نے سوال کیا : ”کپڑے کا عیب اسے بتا دیا تھا؟“احمد نے کہا:”عیب بتانا تو مجھے یاد نہیں رہا۔“ابنِ خریف کے والد یہ سن کر بہت پریشان ہوگئے اور احمد کو برابھلا کہا۔اس نے کہا:”اب کیا ہوسکتا ہے؟میں تو خریدار کو جانتا بھی نہیں'جو کچھ ہوگیا اسے بھول جایئے۔آئندہ احتیاط کروں گا۔“مگر میرے والد تو اس کے پیچھے پڑ گئے اور کہا:”اس کا اتا پتا تلاش کرو۔“بڑی مشکل سے اس اجنبی مسافر کے ٹھکانے کا علم ہوا تو پتا چلا کہ وہ حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ مکہ معظّمہ روانہ ہو چکا ہے۔میرے والد نے ایک تیز رفتار گھوڑا کرائے پر لیااور اس شخص کی تلاش میں روانہ ہوگئے'بالاآخر انھوں نے قافلے کو پکڑا اور متعلقہ شخص کا معلوم کر کے اسے بتایا:” میرے دلّال نے جو کپڑا تمھیں بیچا ہے'اس میں کچھ عیب تھا 'جو وہ بتانا بھول گیا تھا۔میں اسی لیے تمہارے پیچھے آیا ہوں۔“اجنبی مسافر کو بڑا تعجب ہوا'وہ کبھی کپڑے کو دیکھتا اور کبھی اس عظیم تاجر کو 'جس نے محض کپڑے کا عیب بتانے کے لیے اتنی تکلیف اٹھائی تھی۔وہ بہت دیر تک خاموش رہ کر بولا:”جو دینار میں نے تمہارے دلّال کو دیے تھے'کیا وہ تمہارے پاس ہیں؟“تاجر نے کہا:”ہاں ہیں'یہ لو!“اجنبی مسافر نے وہ دینار لے کر پھینک دیے اور اتنے ہی دینار اور دے دیے۔کہنے لگا:”وہ کھوٹے تھے۔میں غیر مسلم ہوں'لیکن تمہاری راست گوئی اور دیانت دیکھ کر میرے ضمیر نے ملامت کی کہ جب تم نے مجھے عیب بتانے کے لیے اتنی مشقت اٹھائی ہے تو میں تمہیں اندھیرے میں کیوں رکھوں۔“

(خدمتِ خلق ایک عظیم عبادت ہے'مرتّب : محمد اسحاق ملتانی:326)

جدید تہذیب اور عورت

جدید تہذیب میں عورت زینت خانہ نہیں شمعِ محفل ہے۔اس کی محبت و خلوص کی ہر اداا پنے شوہر اور بال بچوں کے لیے وقف نہیں،بل کہ اس کی رعنائی و زیبائی وقفِ تماشائے عالم ہے،وہ تقدّس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں،بل کہ وہ بازاروں کی رونق ہے۔آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی۔اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے۔ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا...؟کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا...؟کیا یہی آزادیٔ نسواں ہے،جس کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے...؟

(دورِ حاضر کے فتنے،مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ،ص:157)

آپ کے اشعار

تُم گئے، رونقِ بہار گئی
تم نہ جاؤ! بہار کے دن ہیں
ساغرؔ صدّیقی

ہنگامے روز روز کے خُوگر بنا گئے
اب خوش ہیں آئے دن کی پریشانیوں کے ساتھ!
محمد علی جوہرؔ

قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا!
میر انیسؔ

تُم اے رئیس! اب نہ اگر اور مگر کرو
کچھ دیر اپنے ساتھ بھی پیارے! بسر کرو
رئیسؔ امروہی

یہ شہر، شہرِ بخیلاں ہے، اے دلِ بیمار
یہاں تو زہر بھی ملتا نہیں دَوا کے لیے!
رئیسؔ امروہی

ہم قرض یہ نقد دل اُسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لے کے دیا قرض!
مومن خاں مومنؔ

اُس کو مطلوب ہیں کچھ قلب و جگر کے ٹکڑے
ہوش رکھتا ہے جو انسان تو دیوانہ بنے!
اصغرؔ گونڈوی

مسلمانوں کے علمی نوادرات

1۔ تعلیم پر اخراجات:یحیٰ بن معینؒ محدّث (233ھ)نے دس لاکھ پچاس ہزار درہم علمِ حدیث کی تحصیل اور تلاش و سفر میں صرف کر دیے۔

2۔ کثرتِ اشعار یاد:ابو بکر محمد بن القاسم بن ابناریؒ(371ھ)کو تین لاکھ عربی اشعار یاد تھے۔

3۔ کثیر اساتذہ سے استفادہ:عبد الکریم بن سمعان ایسا متعلم ہے،جس نے سات ہزار اساتذہ سے احادیث حاصل کی۔

4۔ کثرتِ تصنیف: تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ الحرانیؒ ایسے مصنف ہیں،جو روزانہ چالیس تا اسّی کرّاسے لکھتے تھے۔ایک کرّاسۃ آٹھ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 320-640 صفحات روزانہ لکھتے تھے۔

5۔ ضخیم الحجم کتاب: شیخ الرئیس بو علی سیناؒ کی کتاب القانون پانچ لاکھ صفحات پر مشتمل ہے۔

6۔ زود خوانی:احمد بن علی خطیب بغدادیؒ(462ھ)نے ایک مرتبہ بخاری شریف تین مجلسوں میں تیس گھنٹوں میں ختم کی۔
حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے بھی تیس گھنٹوں میں بخاری شریف ختم کی۔

7۔ ایک دن میں دس عدد اسباق : محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف النویؒ روزانہ استادوں سے دس اسباق پڑھتے تھے ۔ کھانا، ناغہ کرتے تھے۔علی الصبح اور عشاء کے بعد کھاتے تھے۔

8۔ ایک دن میں سترہ اسباق:ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادیؒ (429ھ)طلبہ کو روزانہ سترہ اسباق پڑھاتے تھے۔

9۔ بغیر استاد کے زبان سیکھ لی: خلیل بن احمد فراہیدیؒ(170ھ)نے ایک ماہ کی مدّت میں بغیر استاد کی مدد کے یونانی زبان سیکھ لی۔

10۔ ایک لفظ کی تصحیح پر ساٹھ ہزار درہم انعام:خلیفہ مامون الرشید عباسی نے” سَدّاد“ فتح کے ساتھ بولا۔مشہور لغوی نضر بن شمیلیؒ وہاں موجود تھا، اس نے اصلاح کی کہ یہ کسرہ کے ساتھ“سدِاد”ہے اور ثبوت میں عربی اشعار پیش کر دیے۔خلیفہ نے خوش ہو کر 60 ہزار درہم انعام دیا۔

11۔ کثرتِ مطالعہ:امام محمد بن الاسدؒ دن رات میں 16 گھنٹے مطالعے میں صرف کرتے تھے اور اس وقت ان کی عمر 70 سال کی تھی۔

12۔ عظیم عطیہ:ہندوستان کے سلطان محمد تغلق نے ایک مرتبہ سنجر بدخشانی(شاعر)کو آٹھ لاکھ روپے ہدیہ دیے۔

(مسلمان مثالی اساتذہ،مثالی طلبہ،پروفیسر سیّد محمد سلیم،ص:131-133)

باتیں آپ کی

شام کا غوطہ... ایک پیغام

شام کا غوطہ۔۔۔ شام کا حسن۔۔۔ لہو کی لالی۔۔۔ خون کی چمکتی کرنیں۔۔۔ چند مرجھائی کلیاں۔۔۔ کیا یہ شام کی صبحِ آزادی کا سورج سرخی کی آخری تہہ جما رہا ہے؟ تاریک اُفق پر خونی دھارے کس آفتاب کا پیش خیمہ ہیں؟ امتِ مسلمہ کی غفلت، سستی، عیاشی اور بے حسی کے برفانی تودے ان سرخ لہو، جھلملاتی کرنوں سے پگھل سکیں گے؟ ریشہ ریشہ شہید بدن، کسی دن ہمیں جگا سکیں گے؟ سوشل میڈیا پر اہلِ شام سے محبت کے دو چار بول ہمیں دوستوں میں مقبول تو بنا سکتے ہیں، مگر بارگاہِ ایزدی میں جواب کا کیا سامان ہے؟؟؟ شام تو انبیا کی سرزمین ہے اور انبیا کی قربانیاں اور استقامت اہلِ شام کا ورثہ رہی ہیں۔ کیمیائی بم برسیں یا گولے اور گولیاں داغے جائیں، بکھرتے اعضا اور فردوسِ بریں کو پرواز کرتی پاکیزہ روحیں کام یاب ہیں، کیوں کہ یہی اہلِ استقامت کا انعام ہے۔ ظالموں کے ہاتھ بڑھ چکے ہیں۔ ہمارے ہاتھ دعا تک کو بھی ابھی تک نہیں اُٹھ سکے۔ ظالم خوش ہیں اور مظلوم مسلمان ہر ستم جھیل رہے ہیں اور ہم سب ابھی اپنی اپنی ذات کے محور میں سرگرداں ہیں۔ دو چار تصویریں، چند دِل سوز جملے اور تبصروں کی دُنیا سے آگے ہمتِ مرداں کا جہاں بھی ہے۔ اہلِ شام کی نصرت کی ہمت۔۔۔ جان و مال سے نصرت۔۔۔ دعا اور بھرپور دعا سے اہلِ شام کی نصرت کے دیپ جلانے کے لیے بھی تو رب کی توفیق چاہیے۔ شاید ہم میں سے بھی کسی کو اللہ سرفراز کرے اور بیت السلام ٹرسٹ جیسا کوئی اور ادارہ بھی اُٹھ کر شام کے مظلوموں کا سہارا بن جائے۔

محمد کاشف تبسم

ایس ایم ایس: السلام علیکم! فروری کے شمارے میں اداریہ:

بہت ہی البیلا انداز

اللہ کرے اور بڑھتی رہے قلم کی پرواز

قوم کی مرض کا شدت کے ساتھ احساس

لکھیں اور لکھتے رہیں، جنجھوڑیں اور جنجھوڑتے رہیں

اب کی بار عنانِ قلم

''موبائل فون، کیا کھویا، کیا پایا''

کے عنوان کی طرف بھی موڑیں تو بہت مفید ہو گا۔ شکریہ

مرسلہ: محمد الیاس، دنبہ گوٹھ، کراچی

جواب: تبصرہ بھی البیلا ہے آپ کا۔

آپ کی فرمائش پر ''موبائل اور نیکیاں'' شامل اشاعت ہے

ایس ایم ایس: السلام علیکم! مدیر صاحب! فروری کا فہمِ دین زبردست، نایاب، اَنمول خزانہ ہے۔ واقعی ہماری تمناؤں سے بڑھ کر لگا۔ ہر ایک کی تحریر دلوں میں گھر کرنے والی ہوتی ہے، عمل پر اُبھارنے والی، بالخصوص آئینہ زندگی تو ہمیں ایمان کی تازگی دیتا ہے۔ ایک بات پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ آپ نے میرا سفر نامہ ''دیارِ مقدس'' والا بہت زیادہ مختصر کر دیا تھا۔ کیوں؟ اور اس میں جو واقعہ مشاعر باجی والا تھا، وہ بالکل سچا تھا، وہ بھی آپ نے شائع نہیں کیا۔ کیوں؟ وجہ بتایئے گا، تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔ **مرسلہ:** بنتِ عبدالرحمان

جواب: رسالے کی گنجائش سے زیادہ لگانا ممکن نہ تھا۔

واٹس اپ: فروری کے شمارے میں ''حضرت امام اوزاعیؒ'' والا آرٹیکل بہت عمدہ لگا، تحریر پڑھ کر دِل باغ باغ ہو گیا، ایک نئ سنت کا بھی پتا چل گیا۔ اب نیت کرتی ہوں کہ جب بھی سفر ہو گا تو اس سنت پر عمل کروں گی۔

مرسلہ: اُمِّ محمد، کراچی

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی
اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

مارچ 2018ء بمطابق جمادی الثانیہ 1439ھ

بیت السلام شام کے علاقے جرابلس میں نئی خیمہ بستی قائم کر رہا ہے

چار ہزار خیموں پر مشتمل اس خیمہ بستی میں بیس سے پچیس ہزار افراد کی رہائش ہو گی، آفاد کے صدر سے ٹرسٹ کے اعلیٰ سطح وفد کی ملاقات میں فیصلہ

کراچی (پ ر) شام کے علاقے جرابلس میں بیت السلام نے چار ہزار خیموں کی ایک نئی بستی بسانے کا فیصلہ کیا ہے 'ایک محتاط اندازے کے مطابق بیس سے پچیس ہزار افراد اس بستی میں رہائش پذیر ہو سکیں گے 'بیت السلام نے یہ فیصلہ ترکی میں انتہائی اعلیٰ سطح کے وفد کی آفاد کے صدر محمد گل (مقامی بولی کا تلفظ ممد گلولو) سے ملاقات میں کیا۔ بیت السلام کی انتظامیہ نے مولانا عبد الستار حفظہُ اللہ کی معیت میں کئی ایکڑ پر مشتمل اس جگہ کا معائنہ کرنے کے بعد وہاں کام شروع کرنے کی ہدایت کردی ' توقع ہے ان سطور کی اشاعت تک خیمہ بستی کا کام تیزی سے تکمیل کی طرف بڑھ رہا ہو گا۔

ترکِ ہلال احمر اور بیت السلام میں معاہدہ، مشترکہ رفاہی خدمات انجام دیں گے

پاکستان اور ترکی کے یہ دونوں رفاہی دارے اپنے اپنے ملک سمیت دنیا بھر میں تعلیم اور دیگر رفاہی خدمات ایک دوسرے کے شانہ بشانہ انجام دیں گے

کراچی (پ ر) بیت السلام اور ترک رفاہی ادارے کزلے یعنی ترک ہلال احمر نے دنیا بھر میں تعلیمی اور رفاہی خدمات میں اشتراک کا فیصلہ کیا ہے 'دونوں جانب سے اعلیٰ سطح کے ذمے داران نے ایک تفصیلی ملاقات میں معاہدے پر دستخط کر دیے ' اس معاہدے کے مطابق یہ دونوں رفاہی ادارے پاکستان اور ترکی سمیت کسی بھی ملک میں تعلیمی اور رفاہی منصوبہ جات ایک دوسرے کے تعاون سے مکمل کر سکیں گے۔

بیت السلام کا نئے عصری تعلیمی ادارے قائم کرنے کا فیصلہ، پاکستان کی وزارت تعلیم کی تائید اور ترکی کی وزارتِ تعلیم کی معاونت بھی شامل رہے گی

ترک رفاہی ادارے معارف فاؤنڈیشن اور دیانت فاؤنڈیشن کا تعاون حاصل ہو گا

کراچی (پ ر) بیت السلام کے اعلیٰ سطح ذمے داران نے اپنی ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے ذمے داران کے ہم راہ ترک وزارت تعلیم کے ڈائریکٹر جنرل نازف یلماز سے ملاقات کے دوران پاکستان بھر میں نئے عصری تعلیمی ادارے قائم کرنے کا پروگرام پیش کیا ' اس پروگرام میں ترک رفاہی ادارے معارف فائونڈیشن اور دیانت فائونڈیشن بیت السلام کی معاونت کریں گے۔ ڈائریکٹر جنرل نے اس پروگرام کو نہ صرف سراہا بلکہ اپنی وزارت کی جانب سے اس کی مکمل معاونت کا بھی یقین دلایا ' یاد رہے اس پروگرام کی تائید پاکستان کے وزیرِ تعلیم جناب بلیغ الرحمٰن تحریری طور پر کر چکے ہیں۔

بی بی ایچ یو کا فری آئی کیمپ، موتیا کے 19 آپریشن کیے گئے

ڈھائی سال میں اس یونٹ نے 21 جنرل، 3 آئی کیمپ لگائے، 9 ہزار سے زیادہ مریضوں کا مفت علاج

کراچی (نمائندہ خصوصی) بی بی ایچ یو یعنی بیت السلام بیسک ہیلتھ کے زیرِ اہتمام کراچی کے انتہائی مضافاتی علاقے میں فری آئی کیمپ لگایا گیا' جس میں 19 آپریشن کیے گئے ' جب کہ 109 او پی ڈی کیس فری چیک اپ اور فری دواؤں کی صورت میں دیکھے گئے' کیمپ کے لیے 2 سرجن اور دو جنرل ڈاکٹر حضرات نے اپنی خدمات فراہم کیں' جب کہ پیرامیڈیکل اسٹاف کے 6 حضرات اور 8 رضاکار بھی شریک کیمپ تھے 'اس موقع پر دیگر امراض کے بھی متعدد مریضوں کا چیک اپ ہوا اور انھیں دوائیں دی گئیں' یاد رہے گزشتہ ڈھائی سال میں 20 سے زیادہ جنرل فری میڈیکل کیمپ لگائے گئے' جب کہ تین آئی کیمپ لگائے گئے 'اس دوران 9 ہزار سے زیادہ مریضوں کا فری چیک اپ اور فری دوائیں دی گئیں' جب کہ مجموعی طور پر 29 آپریشن بھی ہوئے۔

Brighto™
Inspired by Nature

Brighto AllColor

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings. They give your living space a prestigious decorative finish by creating a world of beauty, luxury and sophistication.

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto PAINTS